لکھنؤ
تعمیرِ حیات
پندرہ روزہ

دجّال اور عہدِ حاضر کی مادی تہذیب

عہدِ حاضر کی مادی تہذیب کا بھی سب سے بڑا حربہ یہی ملمع سازی اور فریب کاری ہے اور اسکا سب سے نمایاں پہلو یہ ہے کہ اس نے کسی چیز کو اسکے اثر سے آزاد نہیں چھوڑا حقائق کچھ اور ہوتے ہیں نام ان کے برعکس رکھے جاتے ہیں، اصطلاحات اور پرشکوہ الفاظ کا بکثرت رواج ہے ظاہر و باطن کا ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں، آغاز و انجام، تمہید و اختتام، علمی نظریات اور عملی تجربوں میں یکسانیت کی کوئی ضرورت نہیں سمجھی جاتی، یہی حال ان فلسفوں اور نعروں کا ہے، جنھوں نے مذاہب کی جگہ لے لی ہے، اور انسانوں کے دل و دماغ کو مسحور کر رکھا ہے اسکے زعماء کے اقوال و بیانات کے گرد تقدیس کا ایک ہالہ قائم کر دیا گیا ہے اور انکی عقیدت و محبت دل میں تہ نشیں ہو چکی ہے انکے افکار و خیالات کی برتری و بالاتری اور عصمت و تقدس میں شبہ کرنا رجعت پسندی کی علامت امر بدیہی اور محسوس و مشہود چیز کا انکار سمجھا جاتا ہے اور بڑے بڑے ذہین و ذکی اعلیٰ درجہ کے اہل علم اور غیر معمولی صلاحیت کے اہل فکر و نظر بھی اس مغالطہ میں مغالطہ اور فریب نظر کا شکار ہیں اور وہ بھی ان فلسفوں اور تحریکوں کے گن گانے لگے ہیں اور ان کی ہاں میں ہاں ملانے لگے ہیں وہ اسکے علمبرداروں اور لیڈروں کے جذبۂ اخلاص اور صداقت کا امتحان لئے بغیر بڑے یقین و گرمجوشی کے ساتھ اسکے داعی بن چکے ہیں، اور اخلاقی جرأت کیساتھ انکی کامیابی اور ناکامی کا حساب لگائے بغیر اور ان نظریات کے نتیجہ میں انسانیت کے نفع و نقصان کا غیر جانبدارانہ اور صحیح جائزہ لئے بغیر اسکے ہمنوا اور ہم آواز ہیں، اور یہ دیکھنے کے روادار نہیں کہ ان تحریکوں کے نتیجہ میں حقیقی کامیابی اور فطری حقوق انسانیت کو حاصل ہوتے بھی ہیں، یا نہیں؟ یہ سب اسی دجل و فریب کا اثر اور سحر ہے جسمیں دجال اکبر "اپنے پیشرو چھوٹے دجالوں، فریب کاروں اور ملمع سازوں سے آگے ہوگا خواہ وہ تاریخ کے کسی دور میں گزرے ہوں یہ دجالی اور پرفریب روح اس تہذیب میں اسوجہ سے داخل ہوئی اور سرایت کر گئی کہ اس نے بھی نبوت، آخرت، غیب، خالق کائنات اور اس کی قدرت کاملہ پر ایمان اور اسکی شریعت و تعلیمات کا بالکل مخالف رخ اختیار کیا حواس ظاہری پر زیادہ سے زیادہ بھروسہ کیا، اور صرف ان چیزوں سے دلچسپی رکھی جو انسان کو جسمانی لذت، فوری منفعت اور ظاہری عروج و غلبہ سے ہمکنار کر سکیں۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
"معرکۂ ایمان و مادیت"

۱؎ لغت کی مشہور کتاب لسان العرب میں ہے کہ دجل کے معنی جعل سازی اور جھوٹ کے ہیں اور اسی سے دجال بنایا گیا ہے ابو عمر نے کہا دجال جعل ساز اور ملمع ساز کو کہتے ہیں۔

۲۵ ستمبر ۱۹۸۸ء | سالانہ پینتیس ۳۵ روپے | فی شمارہ ۱/۵۰

Regd. No. LW/NP 56

TAMEER-E-HAYAT
FORTNIGHTLY
NADWATUL-ULAMA, LUCKNOW-226007 (India)

جب خریدیں تب اصلی
نقلی نورانی تیل ہرگز نہ خریدیں
* اگر نورانی تیل کے لیبل پر
لائسنس نمبر U-18/77 چھپا ہے تب اصلی ہے
* اگر کیپسول پر ٹریڈ مارکہ ہے تب
مئو کا اصلی نورانی تیل ہے۔
اکثر دوکاندار دو کوڑی والا نقلی نورانی تیل بیچتے ہیں، نقلی بنانیوالے اپنا صحیح نام پتہ چھپا کر غلط طور سے ہمارا مئوناتھ بھنجن کا پتہ لکھ فراڈ کرتے ہیں اور ہمارے اصلی نورانی تیل اور ٹریڈ مارکہ کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈہ کرتے ہیں، اگر نورانی تیل کے لیبل اور کیپسول پر مذکورہ علامات نہیں ہیں تو بالکل نقلی اور جعلی ہے، ڈرگ انسپکٹر سے اسکی جانچ کرالیں، دوکانداروں کے فریب میں نہ آئیں۔ مذکورہ پہچان دیکھ کر ہمیشہ مئو کا اصلی نورانی تیل خریدیں۔

نورانی تیل
درد، زخم، چوٹ کٹنے، جلنے کی مشہور دوا
انڈین کیمیکل کمپنی مئوناتھ بھنجن۔ یو۔پی

بہار نو بی ٹانک
شربت نزلہ
کھانسی، نزلہ، زکام کے لئے
دماغین
خون صفا
چند مشہور اور پیٹنٹ دوائیں
دواخانہ طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

بمبئی بیں
خالص گھی اور میوہ جات سے بھرپور
مٹھائیاں اور حلویات عمدہ و لذیذ
سلیمانی افلاطون
اس کے علاوہ خصوصی پیشکش: ڈرائی فروٹ برفی
ملک کیک ● قلاقند ● ملائی ● برفی کوکولاٹی برفی
ہر قسم کے تازہ ختہ
بسکٹ اور نان خطائیاں، خریدنے کا قابل اعتماد مرکز
سلیمان عثمان مٹھائی والے۔ مینارہ مسجد کے نیچے بمبئی
بیکری:- ۲۲ - محمد علی روڈ۔ بمبئی ۳ فون 320059

حقہ کیلئے خوش ذائقہ
خمیرہ مشکی
ہمیشہ استعمال کیجئے
جو ہندوستان کے علاوہ
غیر ممالک میں بھی مقبول ہے
اعلیٰ و معیاری حقہ تمباکو کے مینوفیکچرز اینڈ ایکسپورٹرز
آزاد بھارت تمباکو فیکٹری
آفس:- نادان محل روڈ، لکھنؤ، یو۔پی (انڈیا) فون 82803
فیکٹری:- شیخ پور، عالم نگر روڈ، لکھنؤ، یو۔پی (انڈیا) فون 51254
RES 83429 TELEX 0535-345 AZAD.IN. GRAM, KHMIRA, LUCKNOW

پرنٹر پبلشر جمیل احمد ندوی نے "امیت آفسیٹ" گولہ گنج لکھنؤ میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے لئے شائع کیا۔

الکھنؤ

تعمیرِ حیات

پندرہ روزہ

مجلس صحافت و نشریات۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۲۵	۲۵ ستمبر ۱۹۸۶ء مطابق ۱۲ صفر ۱۴۰۹ھ	شمارہ ۱۲

اداریہ

..... اس درد کا درماں

اس وقت پورے عالم انسانیت پر مغربی تہذیب کا سایہ ہے، اس تہذیب نے خوب کو ناخوب اور ناخوب کو خوب بنا دیا ہے، اس نے آزادیٔ انساں کا تصور دے کر اس کو ان فطری خصوصیات و امتیازات سے بھی آزاد کر دیا ہے، جو اسے دیگر تمام مخلوقات سے ممتاز کرتی ہیں، اس کے نتیجہ میں ایسے واقعات پیش آ رہے ہیں، جن سے انسانیت کی پیشانی شرم سے عرق آلود ہو جاتی، اس تہذیب نے جب فطری بندھنوں کو بھی توڑ دیا تو اس کی صنعتی ترقی نے وہ ذرائع و وسائل بھی ایجاد کر دیئے جو دیدۂ انسان سے بچی کھچی شرم و حیا کو بھی نچوڑ لیں، اور اس کی قوت بہیمہ میں اتنا اشتعال پیدا کر دیں کہ اس پر وہ کیفیت طاری ہو جائے جو شراب کے نشے میں مست و سرشار کسی شرابی میں ہوتی ہے۔ ویڈیو اور بلو فلموں نے اس نشۂ بے حیائی میں آگ پر تیل کا کام کیا ہے، یہ آگ شہروں سے بڑھ کر قصبوں اور اب قصبوں سے نکل کر دیہات اور گاؤں گاؤں پھیلتی جا رہی ہے۔ جس کے نتیجہ میں تمام اخلاقی حد بندیاں جل کر راکھ ہوتی نظر آ رہی ہیں، گھریلو و خاندانی نظام کا شیرازہ بکھرتا جا رہا ہے۔ مغرب تو پہلے ہی اس آگ میں جل بجھا ہے، اب مشرق بھی پوری طرح اس کی لپیٹ میں ہے، مغربی عورت، عصمت جیسی اپنی انمول دولت گنوا بیٹھی ہے، اس کی چند مثالیں ہی اس حقیقت پر روشنی ڈالنے کے لئے کافی ہوں گی۔ "کنزے انسٹی ٹیوٹ آف سیکس ریسرچ" کے مطابق ہر دسویں امریکن عورت بن بیاہی ماں ہے۔

برطانیہ میں ۱۹۸۱ میں ۲۰۰۴۵ ۲۲ عورتوں نے اسقاط حمل کرایا (امروز ۲۲، جنوری ۱۹۸۵ء) ڈاکٹر آئی۔ اے۔ اسکاٹ میڈیکل آفیسر لندن کے مطابق "لندن میں ہر دسواں بچہ ناجائز پیدا ہوتا ہے" فادر پیڈرو ویروپ نے رائٹر ایجنسی کو ایک بیان میں بتایا۔ "جاپان میں ناجائز حمل گرانے کے ذریعہ جو معصوم لوگ ہلاک ہوئے ان کی تعداد ہیروشیما پر گرائے جانے والے ایٹم بم کے نتیجے میں مرنے والے بے گناہ لوگوں سے زیادہ ہے۔ ماؤں نے بچوں کو اپنی ممتا سے محروم کر کے انہیں پاگل بنا دیا، صرف امریکہ میں ایسے بچوں کی تعداد جو اپنا ذہنی توازن کھو چکے ہیں ۴ کروڑ ہے۔ (برٹش میڈیکل جرنل مارچ ۱۹۸۴ء) ماں کی تربیت سے محروم بچے حد درجہ آوارہ، منشیات کے عادی اور اخلاقیات سے بالکل عاری اٹھ رہے ہیں، ہر سال قتل و غارت، اغوا، مار پیٹ، ڈاکہ، راہزنی، کار چرانے کے واقعات میں دو، چار، پانچ، تین، چھ اور سات فیصد کا اضافہ ہو رہا ہے۔ خود عورت بھی ان شرمناک جرائم میں ملوث ہے، اور آوارہ لڑکیوں کیلئے علیحدہ جیل خانے تعمیر کئے جا رہے ہیں۔

یہ مادی تہذیب کی جو روحانی اور اخلاقی قدروں سے آزاد ہے صرف ایک جزوی تصویر ہے، مختلف ملکوں کے اعداد و شمار جمع کئے جائیں تو ایسی بھیانک تصویر بنتی ہے جس سے انسانیت چیخ پڑے، اولاد کے ہاتھوں والدین کا قتل، اور اس سے کہیں زیادہ والدین کے ہاتھوں اولاد کا قتل یا اذیت پہونچانے کے واقعات کثرت سے پیش آ رہے ہیں ———— ابھی حال میں فرانس کے بارے میں ایک تشویشناک رپورٹ شائع ہوئی، جس میں کہا گیا تھا کہ رفاہی اور سوشل کاموں کی ذمہ دار تنظیموں کو اس بات پر سخت تشویش ہے کہ کچھ عرصہ سے والدین اور اولاد کے درمیان محبت اور تعلق اور اس کے لئے ایک دوسرے کے لئے قربانی دینے اور تکلیف اٹھانے کا جذبہ مفقود ہوتا جا رہا ہے۔ جس سے تربیت کا نظام معطل ہوتا جاتا ہے۔ وزارت داخلہ کی ایک کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق سات سو بچے فرانس میں ہر سال والدین کی اذیت ناک سزاؤں اور بے رحمانہ سلوک کی وجہ سے مر جاتے ہیں، اس کے اندازہ کے مطابق پندرہ ہزار سے زائد بچے والدین کی وحشت اور بربریت کا نشانہ بن رہے تھے، مگر مدنے زبردستی چھین کر رفاہی اداروں کے سپرد کیا، ان میں سے اکثر بچوں کے جسم پر اذیت پہونچانے اور مار ڈالنے کی کوشش کے آثار تھے، سب سے زیادہ عبرتناک واقعہ پیش آیا کہ ایک جوڑے نے اپنی چھوٹی بچی کو کمرہ کے اندر بند کر دیا، اور تفریح کے لئے نکل گئے، اس بچی کی چیخ پکار سن کر محلہ کے لوگوں نے اسکو دروازہ توڑ کر

نگران اعلیٰ
مولانا ابوالعرفان ندوی

مجلس ادارت

شمس الحق ندوی
محمود الازہار ندوی

خط و کتابت کا پتہ
منیجر "تعمیر حیات" پوسٹ بکس ۹۳
ندوۃ العلماء، لکھنؤ
انڈیا

زر تعاون

سالانہ : پینتیس ۳۵ روپے
ششماہی : پچیس ۲۵ روپے
فی پرچہ : ایک روپیہ ۵۰ پیسے

بیرون ملک

بحری ڈاک، جلد ڈاک : ۱۰ ڈالر

فضائی ڈاک

ایشیائی ممالک : ۲۰ ڈالر
افریقی ممالک : ۲۰ ڈالر
یورپ و امریکہ : ۲۰ ڈالر

نوٹ
ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ فرمائیں۔

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا آپ اگر یہ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم، ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ پینتیس ۳۵ روپے ارسال فرمایئے۔ یہ آپ کی ذمہ داری ہے۔ چندہ یا خط بھیجتے وقت اپنا خریداری نمبر لکھنا نہ بھولیں۔

ہم مجاہدین افغان کی حکومت کو قبول کریں گے ☀

ترجمہ از عربی
عطاء الرحمن صدیقی ندوی (دبئی)

افغانستان میں ہونے والی شدید جنگ اس بات کا پیش خیمہ ہے کہ کابل کی روس نواز حکومت کا خاتمہ قریب ہے انشاء اللہ، افغان مجاہدین رفتہ رفتہ پوری سنجیدگی و ثابت قدمی کے ساتھ اپنے بلند مقاصد سے قریب تر ہوتے جا رہے ہیں، امت اسلامیہ اور روسی استعمار کے شکنجہ میں جکڑی ہوئی مظلوم قومیں ایک عرصہ سے اس کی منتظر ہیں اور یہ بات اب روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ افغان مجاہدین ایک عبوری حکومت کی تشکیل کر چکے ہیں جو پوری طرح افغانستان کے نظام حکومت کو چلانے کی صلاحیت رکھتی ہے افغان مجاہدین نے ببانگ دہل اس بات کا اعلان بھی کر دیا ہے کہ افغانستان کی موجودہ حکومت کے سقوط و خاتمہ کے بعد ان کو حکومت سنبھالنے اور مقامی باشندوں کی فلاح و بہبود کے نظام کو بحال کرنے میں کسی قسم کی رکاوٹ اور مشکل کا سامنا نہیں ہوگا اس صاف صریح اعلان و یقین دہانی کے باوجود ہمیں حیرت ہے کہ ساری دنیا نے مجاہدین کی حکومت کے متعلق خاموشی اختیار کر رکھی ہے کہ اس خاموشی میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو مجاہدین کو حق پر سمجھتے ہیں اور افغانستان کے مسئلہ میں انہیں ایک مستقل فریق شمار کرتے ہیں مجاہدین کی حکومت کے سلسلہ میں کہیں سے بھی تائید و حمایت کی کوئی آواز بلند نہیں ہوتی ہے اس لئے ہمیں یہ خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ ان کا نقطۂ نظر کچھ اور ہے اور حکومت کو تشکیل دینا دوسرا پلان ہے کچھ دنوں کے بعد یہ حقیقت اس وقت کھل کر سامنے آئی جب مسٹر کورڈویز . . . . . .

. . . غیر جانبدار حکومت کے زیر سایہ ملحد کی نئی حکومت کا پلان پیش کیا اس یقین کے ساتھ ان کی پیش کردہ پلان بھی غیر جانبدار حکومت کو مجاہدین اور روس نواز دونوں حلقے متفقہ طور پر تسلیم کریں گے، ہمارے لئے ضروری ہو گیا تھا کہ ہم اس پلان اور مجاہدین کی حکومت اور ان کے قبضہ کے متعلق اپنے موقف کی وضاحت کریں۔

(۱) ہم کورڈویز کو اپنے مسئلہ (افغانستان) میں ثالث تسلیم ہی نہیں کرتے ہیں اور نہ ہی ان کی پیش کردہ کسی قرارداد کو تسلیم کرتے ہیں اور نہ ہی تائید کرتے ہیں کیونکہ ثالث فریقین کی رضامندی سے ہوتا ہے اور ہم نے ان کو تسلیم ہی نہیں کیا ہے کیونکہ مسٹر کورڈویز ابتدا ہی سے ایک فریق کی نمائندگی کر رہے ہیں اور اپنے مقاصد (مفادات) حاصل کرنا چاہتے ہیں شب و روز ان کی یہی کوشش ہے کہ کسی طرح ہماری تجویزیں اور منصوبہ ناکام ہو جائے حالانکہ ہماری کوشش اور ہمارا منصوبہ شروع ہی سے یہ ہے کہ افغانستان میں صحیح اسلامی حکومت قائم ہو جس کی خاطر پندرہ لاکھ مجاہدین نے قربانی دی ہے اور جام شہادت نوش کیا ہے لیکن مسٹر کورڈویز کا منصوبہ یہ ہے کہ ان بے دین ملحد و گمراہ عناصر کے ساتھ مل کر حکومت قائم کی جائے جنہوں نے افغانستان کا سودا کیا اور اسے روسی استعمار کی بھینٹ چڑھا دیا، مسٹر کورڈویز کا یہی منصوبہ وہ خطرناک حربہ اور ہتھیار ہے جس کے ذریعہ وہ ہمارے جہاد کے بلند و مبارک مقاصد کو ناکام بنانا چاہتے ہیں اور ہماری تحریک جہاد اسلامی کو ڈائنامائٹ کرنا چاہتے ہیں۔

(۲) وہ ایک طرف اگر مسٹر کورڈویز خود کو قضیۂ افغانستان کا ثالث تصور کرتے ہیں تو یہ ہو سکتا ہے کہ روسی اور کابل کی کٹھ پتلی حکومت کے درمیان اور دوسری طرف مغربی حکومتوں کے درمیان ثالثی کے فرائض انجام دے رہے ہوں، وہ اپنے ثالثی کے زعم میں افغانستان کی حکومت و طاقت کو ان دونوں کے درمیان تقسیم کر دینا چاہتے ہیں اور ان کی ساری کوشش یہ ہے کہ افغانستان کی حکومت روسی ایجنٹوں کے چنگل سے نکل کر مغربی ایجنٹوں کے ہاتھوں کا کھلونا بن جائے . . !!! اس تمام پس منظر میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر افغانستان ہمارا اپنا وطن ہے یا محض زمین کا ایک ٹکڑا جو مغربی حکومتوں یا حوارئین کی جائداد و ملکیت ہے ۔ !! ؟؟

اگر افغانستان ہمارا وطن ہے اور یہی واقعہ و حقیقت ہے اور اسی سرزمین وطن کو دشمنوں سے آزاد کرانے کی خاطر پندرہ لاکھ (ڈیڑھ ملین) انسانوں نے قربانی دی ہے تو ہم اپنے حق کو استعمال کرتے ہوئے پوری قوت و طاقت کے ساتھ اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ ہمیں کورڈویز کی ثالثی منظور نہیں ۔ !! اور ہم مجاہدین کی حکومت کے علاوہ کسی دوسری حکومت کو تسلیم کرنے پر ہرگز آمادہ نہیں ہوں گے ۔ !!! اگر دنیا یہ سمجھتی ہے کہ افغانستان مغربی حکومتوں کی ملکیت ہے یا مشرق یا مغرب کے درمیان ایک متنازعہ قطعۂ زمین ہے تو ہم پوری مؤمنانہ شان اور خدا پر توکل کرنے والے مرد مجاہد کی شجاعت و بہادری کے ساتھ یہ اعلان کرتے ہیں کہ ہم ان تمام عناصر سے پوری طرح واقف ہیں جو کورڈویز کے منصوبہ کی آڑ میں ہماری تحریک جہاد، ہمارے مسائل اور ہماری قوم سے دشمنی کا کھیل کھیلنا چاہتے ہیں، کیونکہ جو لوگ اس سلسلہ میں خود کو ثالث یا فریق گردانتے ہیں انہوں نے افغان مجاہدین اور ان کے حقوق کی طرف سے آنکھیں بند کر رکھی ہیں اور ایک بار پھر دنیا کیلئے مسائل اور مشکلات پیدا کرنا چاہتے ہیں مسٹر کورڈویز کا منصوبہ ہمارے ایمان و عقیدے کے سراسر خلاف ہے اور ہمارے خون کو رائگاں بنا دینے کے مترادف ہے اسے ہمارے اوپر لادنے والوں کو نتائج کی ذمہ داری قبول کرنے کیلئے تیار رہنا ہوگا اور ساری امت اسلامیہ کی مخالفت مول لینا ہوگی جس نے اس جہاد سے بڑی امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں، انہیں خود اپنے خلاف ملت اسلامیہ اور افغان مجاہدین کے غیظ و غضب کو بھڑکانے کی ذمہ داری بھی قبول کرنی ہوگی، کیونکہ یہ جیالی قوم ان لوگوں کو ہرگز معاف نہیں کرے گی اور خاموشی سے برداشت نہیں کرے گی جو اس جہاد اور قربانی کو کھلونا بنانا چاہتے ہیں اس کی امیدوں حوصلوں عزائم اور خون فشاں جد و جہد کو خاک میں ملا دینا چاہتے ہیں۔

دنیا کو یہ بات معلوم ہونا چاہئے کہ وہ خود دار اور بے باک و نڈر قوم جس نے سرخ استعمار کی آہنی زنجیروں کو ریزہ ریزہ کر دیا اور ناک رگڑنے پر مجبور کیا ہرگز ہرگز اس بات پر آمادہ نہیں ہوگی کہ اس کے گلے میں مغربی طوق پہنا دیا جائے، یہ بات بھی دنیا کے علم میں آ جائے تو بہتر ہے کہ یہ مجاہد قوم ہر وقت مرنے پر آمادہ ہے اور کسی مصلحت و مفادات کی غلامی کیلئے ہرگز تیار نہیں ۔ !!!

افغانستان میں روس کی ذلت آمیز شکست سے ان تمام لوگوں کو سبق لینا چاہئے جو اس نڈر جانباز، خود دار و بہادر قوم کی مرضی کے خلاف افغانستان میں کوئی خارجی نظام لاگو کرنے کے خواب دیکھ رہے ہیں یا افغانستان میں اپنے ایجنٹ بنانا چاہتے ہیں دنیا کو اس بات سے بھی واقف ہونا چاہئے کہ جہاد افغانستان کا مسئلہ لقمۂ تر نہیں ہے اور نہ ایسا کھلونا ہے جس کو کورڈویز جیسے لوگ کھیلتے پھریں، افغان مجاہدین کوئی معمولی قوم نہیں کہ دوسرے اس کا مستقبل متعین کریں اور دشمن صلح و صفائی اور ثالث کا لبادہ اوڑھ کر اس کے بلند و بالا مقصد جہاد کا مذاق اڑائیں ۔ !!! ان مجاہدوں کے لئے بے شمار وارثین ہیں جو اپنے سر دھڑ کی بازی لگا کر دشمن کا مقابلہ اور تحریک جہاد کی حفاظت کریں گے اور اپنی بساط بھر دشمن کی آرزوؤں کو خاک میں ملا کر عنقریب کابل کی ایجنٹ حکومت کا خاتمہ کریں گے اور مجاہدین کی حکومت کے قیام کا مژدہ جانفزا سنائیں گے انشاء اللہ۔

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيزٍ

. . . . ● . . . .

بقیہ سوال و جواب ص ۱۰ کا

مگر صورت مسئولہ میں چونکہ ڈھول آلات لہو میں سے ہے اور اس کا بنانا جائز نہیں ہے لہٰذا قربانی کی کھال سے بھی ڈھول بنانا جائز نہ ہوگا۔

سوال :- کیا قربانی کے گوشت کو کفار میں تقسیم کر سکتے ہیں ؟ (انبی)

جواب :- ہاں قربانی کے گوشت کو کفار میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

سوال :- بعض مساجد میں نماز فجر کے بعد امام صاحب سے مصافحہ کرتے ہیں شریعت میں اسکا کیا حکم ہے ؟ (کرن)

جواب :- مصافحہ اول ملاقات پر ثابت ہے، فجر یا عصر نماز کے بعد مصافحہ کرنا بدعت ہے رسول اللہ صلعم اور صحابہ کرام سے اس طرح کا کوئی ثبوت نہیں ملتا ہے ••

نکالا، امریکہ کے بارے میں اسی طرح کی ایک رپورٹ شائع ہوئی تھی جس میں دکھایا گیا تھا کہ وہاں اولاد کے ہاتھوں والدین کو نہایت اذیت آمیز سلوک کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ ایسے کثرت سے واقعات پیش آنے لگے ہیں جنمیں والدین کے اولاد سے چھٹکارا حاصل کرنے کیلئے سہارا کی ضرورت ہے جس کی وجہ سے وہاں ایک تنظیم قائم ہوئی ہے جو ایسے معاملات میں مدد کرتی ہے۔

اس تہذیب کا ہر فکر و نظریہ نہایت خوبصورت غلاف میں پیش کیا جاتا ہے، اور لوگ اس کی طرف لپکتے اور بڑھتے ہیں اس کو اپنانے اور سینے سے لگاتے ہیں، پھر تھوڑے ہی عرصہ بعد اس کی آگ میں جلتے اور تڑپتے ہیں۔ اور جب ان کے سامنے اسلام دین فطرت کا آب حیات اور "ماء زلال" پیش کیا جائے تو اس کو دقیانوسیت و بنیاد پرستی سے تعبیر کرتے ہیں۔ چنانچہ اب بچوں کے بندر کی شکل بنا کر دم لگا کر بندر کی طرح اچکنے کے لطیفے بھی سننے میں آرہے ہیں۔

"جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے"

مجرم ہے بے چارہ اسلام یا ڈرنے کی چیز ہے اسلام جو انسان کو شرم و حیا کی چادر عطا کرتا ہے محبت و اخلاق کا سبق پڑھاتا ہے اپنے پرائے پر غم کھانا سکھاتا ہے، عورت و مرد، انسان کی دونوں جنسوں کو ان کی فطری ساخت کے دائرہ میں دونوں کو پورا حق عطا کرتا ہے اور ہر ایک کے الگ الگ فرائض و ذمہ داریاں بتاتا ہے زندگی گذارنے کے صاف ستھرے اصول عطا کرتا ہے طاقت ور کو کمزور پر ترس کھانا سکھاتا ہے، پاکیزہ معاشرہ اور ستھرا سماج وجود میں لانے کا درس دیتا ہے۔ یہاں ایک انگریز نو مسلم یوسف الحسن کے اسلام کے بارے میں خیالات نقل کردینا مناسب سمجھتا ہوں۔

"مسلم سوسائٹی اپنی بہترین اور اعلیٰ قدروں کی وجہ سے تمام دوسری سوسائٹیوں سے ممتاز ہے لیکن اس کے باوجود اکثر لوگ مغربی عادات و تقالید کی اندھی تقلید کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ (اور انہیں ترقی کا معیار سمجھتے ہیں) حالانکہ ان غلط اور خراب عادات کو اب بہت سے یوروپین لوگ بھی چھوڑ رہے ہیں کیونکہ ان میں بہت سی برائیاں ہیں اور یہ عقل و حکمت کے منافی ہیں مجھے بہت زیادہ تعجب ہے اور افسوس اس بات پر بھی ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے پاس اللہ کی کتاب موجود ہے (جو سب سے زیادہ صحیح، اچھا اور منصف اور دائمی قانون ہے) اور اس کے باوجود وہ وضعی قوانین کے ماتحت زندگی گذارتے ہیں (اور لاطینی، فرانسیسی، انگریزی اور بشری قوانین پر راضی اور خوش ہیں)"[1]

حیرت اور افسوس کی بات یہ ہے کہ اس تہذیب نے ہمارے مسلمان ملکوں کو بھی بری طرح متاثر کیا ہے اور والدین کو اذیت پہنچانے کے واقعات کثرت سے وہاں پیش آرہے ہیں ان کی مثالیں باعث طوالت ہوں گی۔

اگر اس صورت حال پر اس قانون فطرت کی روشنی میں نہ غور کیا گیا جو خالق کائنات نے انسانوں کی فلاح و بہبود کیلئے اپنے رسولوں کے ذریعہ بھیجا ہے، تو انسانیت کو تباہی سے کوئی بچا نہیں سکتا، اس درد کا درماں اسی کے بتائے ہوئے ضابطۂ حیات میں ہے جس نے اس پتلۂ خاکی کو وجود بخشا ہے اور اس کے مزاج و طبیعت سے خوب واقف ہے۔

---

[1] مجلہ "التربیۃ الاسلامیۃ" بغداد ترجمہ مولانا حبیب ریحان ندوی ماخوذ از الفیصل حیدر آباد۔

رکھو ہمیشہ سامنے روزِ حساب کو!

عثمان احمد قاسمی جونپوری

جب اس حسیں نے رخ سے ہٹایا نقاب کو
اب دیکھتا ہی کوئی نہیں آفتاب کو

پانی کے بلبلے کی طرح ہے یہ زندگی
جانو نہ اعتماد کے لائق حباب کو

ملتا نہیں نشان ہوئے خاک اس طرح
ڈھونڈھو ذرا سکندر و افراسیاب کو

غفلت میں کٹ نہ جائے دو روزہ یہ زندگی
رکھو ہمیشہ سامنے روز حساب کو

نور ازل کے فیض سے ملتی ہے روشنی
خورشید و کہکشاں کو رخِ ماہتاب کو

ہم تو رضائے دوست کے طالب ہیں ہر گھڑی
ہم جانتے نہیں ہیں عذاب و ثواب کو

اس عارضِ حسیں سے نہیں کچھ مناسبت
دیکھا چمن میں جا کے ہزاروں گلاب کو

خط کا جواب اس نے لکھا کس ادا کے ساتھ
ہم دیکھتے ہی رہ گئے خط کے جواب کو

دنیا کی لذتوں میں نہ پھنس جائے دل کہیں
اک وہم اور فریب سمجھ اس سراب کو

دورِ شباب کی نہیں کرتے ہیں قدر لوگ
پھر ڈھونڈھتے ہیں سب اسی دورِ شباب کو

صہبائے خلد جس کے بسی ہو دماغ میں
وہ پی کے کیا کرے گا یہاں کی شراب کو

میں بتکدے کو چھوڑ کر سوئے حرم چلا
سب دیکھتے ہی رہ گئے اس انقلاب کو

اپنے سوا ہر ایک کو کہتے ہیں کیوں برا
کیا ہوگیا ہے ناصحِ عالی جناب کو

عثمان کا پتہ نہیں گم ہوگیا کہاں
نکلے ہیں ڈھونڈھنے اسی خانہ خراب کو

بقیہ شب و روز
ص ۱۲ کا

المعهد العالی للدعوة والفكر الاسلامی کا افتتاحی جلسہ

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ العالی کے الفاظ میں دار العلوم ندوۃ العلماء کے قیام کا اصلی مقصد اولاً علوم اسلامیہ کو زوال و فنا کے اس خطرہ سے بچانا تھا جو اس وقت ان کے سر پر منڈلا رہا تھا ثانیاً مسلمانوں کو (اعتقادی حیثیت سے) الحاد و بے دینی تشکک و ارتیاب اور مغربیت کے سیلاب سے بچانا اور (عملی حیثیت سے) شریعت و قانون اسلامی سے بغاوت خودسری اور بے راہ روی سے محفوظ رکھنا تھا۔

یہ عظیم مقصد ہمیشہ دار العلوم کے ذمہ داروں کے پیش نظر رہا اسی کیلئے وہ ہمہ وقت فکر مند کوشاں رہے المعہد العالی للدعوۃ والفکر الاسلامی انہیں کوششوں اور کاوشوں کی ایک کڑی ہے اس معہد میں دو سالہ تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے اس کے مقاصد حسب ذیل ہیں

۱:۔ ممالک عربیہ و مشرق وسطی میں (علمی و فکری طور پر) دینی و ایمانی دعوت۔

۲۔ مذاہب کا تقابلی مطالعہ۔

۳:۔ حکمت ولی اللّٰہی۔

۴:۔ اصلاحی و تجدیدی تحریکات اور اسلامی علوم و فنون ہندستان میں۔

اسی طرح اس کی جانب سے سال کے مختلف موقعوں پر اساتذہ دار العلوم اور بلاد عربیہ، ہند و پاک کے صاحب دعوت و فکر فضلاء کے خطبات و محاضرات اور مجالس کا انتظام بھی کیا جاتا ہے گذشتہ سال کی طرح امسال بھی مورخہ ۱۸ر محرم کو عباسیہ ہال میں اس کا افتتاحی جلسہ منعقد ہوا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ العالی نے معہد کی اہمیت و ضرورت پر روشنی ڈالی اور تاریخ و عصر حاضر کی روشنی میں اپنے خاص انداز میں اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ۔ کی تفسیر فرمائی۔

علماء کیلئے قابل تقلید معیار

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی

ذیل میں ہم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی کی وہ تقریر ہدیۂ ناظرین کر رہے ہیں جو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد دار العلوم کی وسیع مسجد میں تعزیتی جلسہ میں ڈبڈبائی آنکھوں اور بھرائی ہوئی آواز میں تھرتھراتے ہوئے ہونٹوں سے کی گئی تھی مولانا نے درد بھرے لہجہ میں فرمایا تھا ؎ وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دوکان اپنی بڑھا گئے۔
آج اسلام کے ان جانباز سپاہیوں کی زندگی ان کی سیرت و کردار سوالیہ نشان بن کر ہم سے پوچھتے ہیں کہ ہم نے کیا نقش چھوڑا ہے اور تم کس نفس پرستی جاہ پرستی اور جماعتی و گروہی عصبیت کے پیچھے بھاگ رہے ہو پیچھے مڑ کر دیکھو اور ان نقوش پر چلنا شروع کردو جو تمہارے اسلاف نے قائم کئے ہیں

مجھے اپنی اس زندگی میں جس چیز کا بار بار تجربہ اور مشاہدہ ہوا ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ نایاب اور مشکل کام انسان کا بر وقت پہچاننا ہے، ہر شخص اپنے اپنے تخیل اور تجربہ کے مطابق اپنے زمانے کے مشاہیر کا ایک نقشہ اور خیالی تصویر تیار کر لیتا ہے اور اس کو مقام دیتا ہے، یہاں تک کہ ایک عارف کو کہنا پڑتا ہے ؎

ہر کسے از ظن خود شد یار من
وز درون خود نہ جست اسرار من

بلکہ بعض صورتوں میں انسان کا پہچاننا اور مشکل ہو جاتا ہے، ان میں سے ایک یہ ہے جب اس پر کچھ اس طرح کے حجابات پڑ جاتے ہیں جو عام لوگوں میں معروف ہوں اور جو رواجی ہوں جن کا اپنا ایک خاص ڈھانچہ ہوتا ہے، ایسی صورت میں انسان کا پہچاننا اور مشکل ہو جاتا ہے۔

مثلاً اگر کوئی شخص اہل دنیا کے لباس میں رہتا ہے تو اندر سے وہ خواہ کچھ بھی ہو لوگ اس کی اصل حقیقت سمجھنے کے قابل نہیں ہو سکتے، ہماری نگاہیں حجاب سے پار نہیں ہونے پاتیں۔

مولانا مدنی جن کے نام کے ساتھ کل تک زبان مدظلہ العالی کہنے کی عادی تھی اور اس وقت ہم رحمۃ اللہ علیہ کہنے پر مجبور ہو رہے ہیں جس کے سمجھنے میں ایک اور آہنی حجاب حائل ہو گیا ہے یہ ان کی سیاسی حیثیت تھی جیسا کہ کہا جاتا ہے اور آئندہ بھی کہا لکھا اور شائع کیا جاتا رہے گا۔ مولانا جنگ آزادی کے بہت بڑے قائد اور رہنما تھے، لوگوں کے نزدیک یہ بہت بڑی بات ہوگی اور شاید مولانا کی انتہائی تعریف اور مدح سمجھی جائے گی، لیکن ایسا نہیں ہے، مولانا کی اصل صورت و حقیقت اس کے پیچھے مستور رہی ہے اور اس حجاب نے بڑے بڑے لوگوں کی نگاہوں سے ان کو اوجھل رکھا ہے۔

اصل تو یہ ہے کہ جس نے پیدا کیا ہے وہ جانتا ہے کہ کون کیا ہے "اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ" لیکن کچھ لوگ ایسے ہوئے ہیں جن کو دوسری حیثیتوں کے جاننے کا تھوڑا بہت موقع ملتا ہے، ایسے لوگوں کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ ان حجابات کو اٹھائیں اور اس شخص کی علمی صورت اور حیثیت کو سامنے لائیں، میں کہہ سکتا ہوں کہ مجھے بھی اس کا تھوڑا بہت موقع ملا ہے، اور میں اپنے لئے یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ مولانا کی زندگی کے کچھ وہ گوشے جس کو مجھے دیکھنے سمجھنے اور جاننے کا موقع ملا ہے ان لوگوں کو پہونچاؤں جو مولانا کو اب تک کچھ اور سمجھتے رہے ہیں، میں اس وقت آپ کو سامنے رکھ کر اپنی اس آواز کو دور دور تک پہونچانا چاہتا ہوں۔

مولانا اس وقت وہاں ہیں جہاں ان کو ہماری مدح و ستائش کی ضرورت نہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے دنیا ہی میں اس مقام پر پہونچا دیا تھا جہاں انسان مدح و ذم سے بے نیاز ہو جاتا ہے اس کا تذکرہ میں اس وقت اس لئے کر رہا ہوں کہ اس کی خود ہمیں ضرورت ہے، ہمیں ان کی زندگی پر نظر ڈالنی چاہئے اور اس کے مفید پہلوؤں کو اپنانا اور ان سے سبق لینا چاہئے، دوسری بات یہ ہے کہ میں جو بات عرض کروں گا یہ باتیں وہ ہیں جو میرے ذاتی مشاہدہ میں آئیں ان میں کوئی مبالغہ نہیں ہے، کوئی رنگ آمیزی نہیں ہے اس لئے کہ ان واقعات کو اس کی ضرورت نہیں ہے۔

① ان کی زندگی کا سب سے بڑا وصف اخلاص اور للہیت ہے، افسوس یہ ہے کہ الفاظ کثرت استعمال سے اپنی قیمت اور وزن کھو دیتے ہیں اخلاص بھی انہیں لفظوں میں سے ہے، ہر معمولی دیندار اور ذرا پابند صوم و صلوٰۃ آدمی کو ہم مخلص کہہ دیتے ہیں، ہمارے نزدیک آدمی کی سب سے پہلی تعریف مخلص ہوتی ہے حالانکہ تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ مخلص ہونا انسان کی آخری اور انتہائی تعریف ہے "اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" کے مقام پر پہونچنا آسان نہیں ہے، یہ مقام نبوت کا پرتو ہے۔

میں نے مولانا کی زندگی میں اس جوہر کو بہت نمایاں دیکھا ہے، ایسا کام جو کم اخلاص ہی پر مبنی ہو اور جو عام طور پر محض اللہ ہی کے لئے کیا جاتا ہو اور جس میں کوئی دنیاوی اور مادی نفع نہ ہو مثلاً نماز پڑھنا، اس میں اخلاص کا قائم رکھنا زیادہ مشکل نہیں، اگرچہ یہ بات بھی پورے وثوق سے نہیں کہی جا سکتی بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ایسے کاموں میں بھی محض خال خال اور چند ہی ایک صحیح معنوں میں مخلص کہے جانے کے مستحق ہوتے ہیں، لیکن جو کام اکثر و بیشتر بلکہ تمام تر دنیاوی نفع اور فائدے کیلئے کئے جاتے ہوں جہاں غیر مخلصین کا مجمع ہو وہاں اخلاص کا قائم رکھنا بڑا مشکل ہے، نماز اخلاص کے ساتھ پڑھنا آسان ہے، لیکن تجارت، مزدوری، کتابوں کا لکھنا اور شائع کرنا اخلاص کے ساتھ بہت مشکل کام ہے اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کا خاص طور سے ذکر فرمایا ہے جو ایسے اعمال میں اپنے اخلاص کو قائم رکھتے ہیں رِجَالٌ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ۔

مولانا کی عظمت کا راز یہ نہیں تھا کہ وہ کوئی بڑے مقرر تھے، میں آپ کے سامنے صاف کہتا ہوں کہ مولانا کوئی جادو بیان اور شعلہ بار مقرر نہیں تھے بلکہ وہ بقدر ضرورت ہی تقریر کرتے تھے، لوگ مولانا کے سامنے اس لئے نہیں جھکتے تھے کہ وہ کوئی بڑے مصنف تھے، مولانا کا شمار ملک کے نامور و ممتاز مصنفین میں نہیں، ہر شخص ان کے سامنے چھوٹا نظر آتا ہے اس لئے نہیں کہ دنیا میں ان کے جیسا کوئی عالم نہیں تھا، میں اس کے کہنے میں کسی معذرت کی ضرورت نہیں سمجھتا اور نہ اس میں مولانا کی کوئی تنقیص ہے بہت بڑا عالم ہو جانا کوئی کمال نہیں، جو ذرا محنتی ذہین اور فہیم ہو اس کو مطالعہ کا موقع ملے تو وہ ایک بڑا عالم بن سکتا ہے۔

مولانا کی بڑائی کا بڑا راز یہ ہے کہ وہ سراپا اخلاص تھے اور اپنے ہر کام میں اور ہر وقت مخلص تھے، ان کا ادنیٰ سے ادنیٰ اور معمولی سے معمولی اور غیر دینی سے غیر دینی کام اخلاص کے ساتھ ہوتا تھا، ان کی ساری سیاسی جد و جہد محض ابتغاء رضوان اللہ تھی وہ صرف اس لئے اس میں منہمک رہے کہ وہ اس کو رضاء الٰہی کا ذریعہ سمجھتے تھے، اور اس سے قرب الٰہی چاہتے تھے، وہ ان کے لئے سلوک بن گیا یہ ان کے لئے جہاد تھا اور وہ اس میں شرکت سے محض تقرب بالجہاد چاہتے تھے، جس نیت سے وہ رات کو تہجد پڑھتے تھے آپ یقین کریں کہ وہ اسی نیت سے اسٹیج پر تقریر کرتے تھے اور وہاں اسی نیت کے ساتھ مشغول رہتے تھے جس نیت سے وہ نوافل پڑھتے تھے، جو ثواب ان کو تہجد کی آٹھ یا دس رکعتوں میں ملتا ہوگا وہ ان کو رات کے کسی جلسہ کی شرکت میں ملتا ہوگا جس طرح مجاہدین میدان جنگ میں جاتے ہونگے اسی نیت سے وہ جیل خانے جاتے رہے ہونگے یہ آسان کام نہیں یہ مقام وہ ہے جو صرف اہل اللہ کو بھی نہیں کاملین اولیاء اللہ ہی کو حاصل ہو سکتا ہے، ایک منٹ کیلئے اپنے کو ایسے ماحول میں اللہ کے قریب رکھنا مشکل ہوتا ہے، چہ جائیکہ وہاں انہوں نے گھنٹوں، دنوں، مہینوں اور سالوں اپنے کو اللہ کے ساتھ مشغول رکھا، اس کی علامت یہ ہے کہ ان کو یہ سیاسی مشغولیت ان کی کیفیات سے دور نہیں کرتی تھی جو اس سے علاحدہ ہوتی تھی وہ جس اسٹیج

پر ہوتے تھے وہاں اکثر وہ لوگ بھی ہوتے تھے جنہیں نماز کا بالکل خیال بھی نہیں ہوتا تھا، اور بعض اوقات اکثریت غیر مسلموں کی ہوتی تھی لیکن جلسہ سے اٹھ کر کسی مسجد میں تشریف لے جاتے وہاں اگر نماز ہو چکی ہے تو کسی دوسری مسجد میں تشریف لے جاتے جہاں جماعت ملتی وہاں پڑھتے کہیں نہ ملتی تو اپنی علاحدہ جماعت کرتے، یہ ایک مثال ہے اس طرح کے سیکڑوں واقعات ہیں، جو ان کی زندگی میں پھیلے ہوئے ہیں اور ان کے اخلاص وللہیت اور اللہ کے ساتھ انتہائی تعلق اور مشغولیت کی دلیل ہے، اور یہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ یہ آسان کام نہیں ـــ یہ ان کی زندگی کا پہلا جوہر ہے جس نے ان کو وہ بلندی عطا کی جو ان کے معاصرین میں کسی کو نہیں ملی ـــ اس اخلاص کی ایک بڑی علامت یہ ہے کہ انہوں نے اپنی اسی سیاسی جدوجہد میں شروع سے حصہ لیا اور اس وقت تک حصہ لیتے رہے جب تک کہ اس کی ضرورت تھی لیکن جب ضرورت پوری ہو گئی اور موقع آیا اس محنت کی قیمت وصول کرنے کا تو انہوں نے ہاتھ کھینچ لئے، ایک وقت ہوتا ہے مزدوری کا، ایک مزدور کا، مزدوری پوری کی مسلسل کی اور محنت ومشقت کی لیکن اجرت وہاں کے لئے اٹھا رکھی جہاں وہ اب ہیں، جب آزادی کا درخت لگایا جا رہا تھا اور اس کی آبیاری کے لئے خون پسینہ کی ضرورت تھی وہ پیش پیش تھے لیکن جب اس درخت کا پھل کھانے کا وقت آیا اس وقت اللہ کا بندہ اتنی دور جا بیٹھا جہاں اس کی ہوا بھی نہ لگ سکے وہ آزادی سے پہلے بھی ایک مدرس تھے، اب بھی وہی مدرس رہے، پہلے بھی ایک مختصر سی تنخواہ پاتے رہے آزادی کی جدوجہد کے رفیقوں اور ہم سفروں میں وہی ایک شخص تھے جس کا دامن منفعت کے داغ اور آلودگی سے پاک رہا اور بلاواسطہ و بالواسطہ کسی طرح اپنے صاحب اقتدار و با اختیار رفیقوں کے ممنون نہیں ہوئے۔

(۲) مولانا کی زندگی میں نمایاں وصف ان کا عزم وعالی ہمتی تھی مسلمانوں میں بالعموم اور طبقۂ علماء میں بالخصوص قوت ارادی کی بڑی کمی نظر آتی ہے دماغی اور ذہنی حیثیت سے بڑے بڑے ممتاز لوگ ہوں گے اور ہیں لیکن یہ جوہر نایاب ہے دینی اور علمی حلقہ میں مولانا جس چیز میں ممتاز تھے وہ بلند حوصلگی ہے جس چیز کو رضائے الٰہی کیلئے ضروری سمجھا اس کو انہوں نے بڑی خوش دلی اور خندہ پیشانی کے ساتھ جھیلا اور برداشت کیا بلکہ دعوت دی خواہ وہ کیسی ہی تکلیف دہ وصبر آزما اور ہمت شکن ہو، انہوں اس وقت کئی کئی برس جیل کاٹی جب جیل جانا آسان کام نہیں تھا، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان کسی بڑی چیز اور بظاہر زیادہ سخت چیز کا مقابلہ کر لیتا ہے لیکن بعض چھوٹی چھوٹی باتوں سے قدم ڈگمگا جاتے ہیں حکومت سے ٹکر لینا اور اس کی سختیوں اور مظالم کو برداشت کرنا آسان ہے، لیکن بعض گھریلو معاملات اور گھریلو تعلقات کے سامنے پاؤں پھسل جاتے ہیں لیکن مولانا نے ہر چیز کا مقابلہ کیا انہوں نے کوئی کام اپنی زندگی میں اس لئے چھوڑنا کیا معنی ملتوی نہیں کیا کہ وہ مشکل ہے، ہم سب آپ جانتے ہیں کہ وہ کثرت سے سفر کرتے تھے، سیاسی و غیر سیاسی دینی و غیر دینی حلقہ میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جس نے ان کے برابر سفر کئے ہوں پھر ان سفروں میں لوگوں سے ملنا باتیں کرنا اور تقریریں کرنا، معمولات کا پورا کرنا، جو لوگ مولانا سے قریب رہے ہیں وہ ان کو جو ہے کسی قدر واقف ہیں، لوگوں کی دلجوئی اور محبین کی خوشی کے لئے بڑے بڑے مشکل اور طویل سفر اپنے ذمہ لے لیتے جگہ جگہ ٹھہرتے اور عزیزوں اور دوستوں کی فرمائشیں پوری کرتے، نہ بڑھاپا ان کیلئے رکاوٹ تھا، نہ بیماری، نہ مصروفیت، پھر مختلف بلکہ متضاد مشاغل اور ذمہ داریوں کا جمع کرنا بغیر اعلیٰ درجہ کے عزم اور قوت ارادی کے ممکن نہ تھا، مولانا کو وہ عزم اور طبیعت کا استقلال ملا تھا جو ملکوں اور قوموں کی زندگی میں بڑے بڑے تغیرات پیدا کر دیتا ہے مگر افسوس کہ اس سے پورا فائدہ نہ اٹھایا جا سکا۔

(۳) دینی انہماک اور دینی مصروفیت، اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو ان سے کچھ قریب رہے ہیں، ایسا مسلسل اور انتھک کام کرنے والا، اور نہ اکتانے اور گھبرانے والا انسان کم نظر آیا ہوگا، واقعہ یہ ہے کہ جو مولانا کی مصروفیت کو دیکھتے تھے وہ گھبرا جاتے تھے اور پریشان ہو جاتے تھے کہ مولانا اتنا کام کیسے کرتے ہیں ـــ سیکڑوں آدمیوں سے ملنا اور جوق مہمانوں کی خاطر و مدارات کرنا ایک ایک سے اس کے مطلب اور ضرورت کی بات کرنا، حتیٰ کہ تعویذ چاہنے والوں کو تعویذ دینا، پھر اسی میں حدیث کے درس کی تیاری کرنا، اور کبھی کبھی وقت صبح وشام ظہر بعد، عشاء بعد دیر رات تک درس دینا اور درس بھی ایسا عالمانہ وفاضلانہ جو ان کے منصب کے مطابق تھا، پھر خطوط کا جواب دینا، جب تک خود لکھ سکنے کے قابل رہے خود ہی جواب لکھتے رہے، آخر میں دوسروں سے لکھوانے لگے تھے لیکن پھر بھی بہت سے خطوط اپنے ہاتھ اور قلم سے لکھتے، میرا خیال ہے کہ دینی شخصیتوں میں سے کسی کے پاس اتنی ڈاک نہ آتی ہوگی جتنی مولانا کے پاس آتی تھی اس لئے کہ مولانا کی حیثیت سیاسی لیڈر کی بھی تھی، شیخ طریقت کی بھی اور ایک عالم دین کی بھی تھی، مہمانوں کا اکرام کرنا، ایک ایک کی طرف خصوصی توجہ، اس کی ضرورت پوری کرنا اور وہ بھی پوری بشاشت انبساط وانشراح کے ساتھ، کرامت نہیں تو اور کیا ہے مولانا رات میں دس بجے کہیں سفر سے واپس آئے اس وقت طلبہ کو اطلاع ہوئی کہ درس ہوگا، کیسی نیند، کہاں کی تکان، پورے نشاط کے ساتھ درس دیا، اسی میں طلبہ کے سولات کے جوابات اور وہ بھی غیر متعلق سوالات کے جوابات۔ آپ تعجب سے سنیں گے کہ حج کے سفر سے واپس آئے ہیں جس سفر کے بعد مہینوں لوگ تھکن اتارتے ہیں اور کس طرح آئے ہیں کہ ہر بڑے اسٹیشن پر متعلقین ومحبین سے مصافحہ کرتے مزاج پوچھتے، ملاقات کرتے آئے ہیں آتے ہی حکم ہوا کہ سبق ہوگا، بتایئے سیاسی لیڈروں میں یہ واقعہ مل سکتا ہے، یا مشاہیر عصر میں؛ بغیر انتہائی تعلق مع اللہ کے یہ ممکن نہیں، یہ ہیں وہ کرامتیں جو بڑی سی بڑی کرامتوں سے بدرجہا بلند ہیں۔

(۴) مولانا کا چوتھا بڑا وصف ان کی آدمیت اور انسانیت ہے، آدمیت ایک خاص لفظ ہے اور خاص معنی میں بولا جاتا ہے، معمولی بات نہیں ؎

آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ جب کسی کی بڑی تعریف کرتے تو فرماتے "وہ نسخۂ آدمیت ہے"! ایک شخص کی وفات ہوئی تو فرمایا "مردند و آدمیت بخاک بردند" آج مولانا کے بارے میں بھی یہی جملہ بجا طور پر دہرایا جا سکتا ہے، مولانا کی اسی صفت اور خصوصیت کا اندازہ ان کے مکارم اخلاق سے ہوتا ہے، دوسروں کو حتیٰ کہ معاندین ومخالفین تک کو نفع پہونچانے کی کوشش کرتے، خود تکلیفیں برداشت کر رہے تھے لیکن دوسروں کی چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کی فکر کر رہے تھے، ایسا بھی ہوا ہے کہ کوئی مہمان تھکا ماندہ کہیں سے آیا ہوا رات کو سو رہا ہے اور مولانا اس کا پیر دبا رہے ہیں، مہمان کے تصور میں بھی نہیں تھا کہ پیر دبانے والے مولانا ہو سکتے ہیں، اور یہی نہیں بلکہ انہوں نے ان کو تکلیفیں پہونچائیں!

مولانا نے ان کے ساتھ سلوک واحسان کیا اور ہمیشہ نفع رسانی اور خدمت کی فکر میں رہتے اور جب کبھی اور جس طرح بھی موقع ملا ہے اس کو آرام ونفع پہونچایا ہے، اور دوسروں سے اگر اس کا کام پڑا ہے تو اس کی سفارش کی ہے، پیغام کے ذریعہ سے ممکن ہوا تو پیغام بھیجا ہے، جس کے جیسے حقوق ہوتے اور جس کا جیسا مرتبہ ہوا اور جس کو جیسی ضرورت ہوئی اس کو شایان شان پورا کیا براہ راست ان مخالفوں کو ضرورت پڑی تو ان کی ضرورت پوری کی اور اگر ان کے عزیزوں میں کسی کو ضرورت ہوئی تو ان کی کار براری کی اور ان کے واسطے سے اپنے ان معاندین کی راحت رسانی کی انہوں نے اپنے مخالفین ومعاندین کو معاف بھی کیا، ان کے لئے دعائیں بھی کرتے تھے ان کا عمل وہ تھا جو کسی عارف نے کہا ہے ؎

ہر کہ ما را یار نہ بود ایزد او را یار بود
ہر کہ ما را رنج دادہ راحتش بسیار باد
ہر کہ در راہ من خار نہد از دشمنی
ہر گلے کز باغ عمرش بشگفد گلزار باد

ہماری آپ کی بدقسمتی تھی کہ ہم نے جانا نہیں کہ وہ کیسے باطنی مراتب پر فائز تھے، اس کا اندازہ وہی کر سکتے ہیں جو اس کوچہ سے واقف ہوں اور اس کا احساس رکھتے ہوں، وقت کے عارفین واہل نظر کی زبان سے میں نے ان کیلئے بڑے بلند کلمات سنے ہیں اور ان سب کو ان کی عظمت وبلندی کا معترف اور ان کی مدح وتوصیف میں رطب اللسان پایا ہے، مولانا اپنے زمانہ میں ڈاکٹر اقبال کے ان اشعار کا کامل نمونہ ومصداق تھے ؎

بقیہ ص ۱۴ پر

"بہت روئے گی میرے بعد میری شام تنہائی"

صدر جنرل محمد ضیاء الحق شہیدؒ

ایک

عینی شاہد کی نظر میں

"دل کہتا تھا کہ ضیاء اقبال کا شاہین بلند پرواز اور اسلام کی آنکھ کی ٹھنڈک تھا۔ اس کی مومنانہ ومجاہدانہ زندگی کے جو نقوش اس سے ملنے جلنے والوں، مختلف مواقع پر اس کے ساتھ رہنے اور تبادلۂ خیال کرنے والوں کے قلم سے سامنے آرہے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہاں وہ ایسا ہی تھا۔ اس مرد مجاہد کی دیدہ وری، عزم وحوصلہ اور حلم وتدبر کی تصویر دیکھ کر "ابن سناء الملک" کا یہ شعر بے اختیار زبان قلم پر آیا جاتا ہے"۔

وقد عزمي يترك الماء جمرة
وحيلة حلمي تترك السيف مبردا[1]

لگتا ہے کہ ملک وقوم نے اس کی قدر نہ پہچانی عجب نہیں کہ اس کے مدفن سے یہ حسرتناک صدا آرہی ہو۔

"أضاعوني وأي فتى أضاعوا"[2]

اس وقت عالم اسلام کے سربراہوں کے لئے اسلام اور مسلمانوں کی پاسبانی کے واسطے انہیں صفات وخصوصیات کو اپنانے کی ضرورت ہے۔ ذیل کی سطور میں تکبیر کے ایڈیٹر محمد صلاح الدین صاحب کے مشاہدات ہدیۂ قارئین ہیں
(ادارہ)

اے اللہ! میں نہایت حقیر، ناچیز، کمزور، گنہگار اور عاجز بندہ ہوں۔

پاک پروردگار! میں لوگوں کے دل میں جھانکنے اور ان کے باطن تک رسائی رکھنے پر قادر نہیں ہوں۔ دلوں کا حال جاننا، اسمیں چھپی خواہشوں، تمناؤں، اچھی بری نیتوں اور عزائم سے باخبر ہونا تو صرف تیری ہی صفت ہے۔

رب العزت! میری نظر صرف ظاہر بین ہے۔ نسیان، قلت علم اور قصور فہم کی کمزوریاں میرے ساتھ لگی ہیں۔ جذبات واحساسات تو نے میری سرشت میں رکھ دیئے ہیں۔

مگر ـــ ان کمزوریوں کے ساتھ ہی تیرا حکم ہے کہ:

"اے ایمان لانے والو! انصاف کے علمبردار اور خدا واسطے کے گواہ بنو۔ اگرچہ تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی زد خود تمہاری اپنی ذات پر یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو فریق معاملہ خواہ مالدار ہو یا غریب، اللہ تم سے زیادہ اس کا خیر خواہ ہے کہ تم اس کا لحاظ کرو اپنی خواہش نفس کی پیروی میں عدل سے گریز نہ کرو اور اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو جان رکھو کہ جو تم کرتے ہو، اللہ کو اس کی خبر ہے۔" (النساء)

تیری ہدایت ہے کہ:

"کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ قریب ہے۔" (المائدہ)

اے احکم الحاکمین! میں اس دنیا میں تیرے بندوں کے سامنے اور آخرت میں تیرے حضور، تیری ہی ہدایت کے مطابق خدا واسطے کا گواہ بن کر تیرے ایک ایسے بندے کے بارے میں گواہی دینا چاہتا ہوں جو ہمارے درمیان سے اٹھ کر اب تیری بارگاہ میں جا پہنچا ہے لیکن میرے ملک میں اور عالمی رائے عامہ کے سامنے اپنے کردار وعمل کے حوالے سے ہر جگہ زیر بحث ہے۔

میرے مالک! میں اس کی زندگی کے بعض گوشوں کا براہ راست مشاہدہ رکھتا ہوں میری حیثیت عینی شاہد کی ہے۔ مجھے توفیق دے کہ ہر نوعیت کے خوف، اندیشوں، وسوسوں، تملق، مداہنت، جانبداری، خوشامد، مدح سرائی اور دوسری آلودگیوں سے پاک رہ کر تیرے اور تیرے بندوں کے سامنے سچی گواہی دے سکوں۔ ایسا کرنا تیری توفیق اور ہدایت وحفاظت کے بغیر کب ممکن ہے؟

اے اللہ! ہم سب کی جزا اور سزا تیرے ہی اختیار میں ہے۔ جانے والے کی بھی اور اس کے پیچھے آنے والے ہم سب کی بھی۔ جانے والا اب کسی کو کچھ دینے یا کسی سے کچھ لینے پر قادر نہیں ہے۔ اس سے امید اور خوف کے سب رشتے منقطع ہو چکے ہیں، اور دائمی طور پر صرف تیری ہی ذات سے وابستہ ہیں۔ تو گواہ ہے کہ اس کی زندگی میں بھی میرا تعلق کسی امید اور خوف پر مبنی نہ تھا یہ کسی لین دین کی بنیاد پر نہیں، اخلاص اور اہل وطن کی خیر خواہی کے جذبہ پر مبنی تھا، ہم جانتے ہیں جھوٹ بولنے پر تیری پکڑ سے نہ بچ سکیں گے اور سچ بولنا تیری توفیق کے بغیر ممکن نہیں۔

اے رب العالمین! میں تیرے اور تیرے بندوں کے سامنے آخرت کی پوری جوابدہی کے احساس کے ساتھ گواہی دیتا ہوں کہ تیرا شہید بندہ صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق میری ظاہر بین نگاہوں کے نزدیک ایک عبادت گزار بندہ تھا۔ صوم وصلوٰۃ اور تلاوت قرآن کا پابند اور تہجد گزار۔ اسے مکہ مکرمہ میں بیت اللہ کے اندر میری آنکھوں نے جن کیفیات کے ساتھ دیکھا ہے، وہ کسی منافق کے اندر پیدا نہیں ہو سکتیں۔ اسے ایک بار نماز عشاء کے بعد حرم پہنچنے پر مقام ابراہیم سے متصل مصلیٰ پر بٹھا کر نماز باجماعت کے موقع پر جب امام نے یہ کہہ کر جبراً آگے بڑھا دیا اور خود پیچھے ہٹ گئے کہ "مسلمانوں کے امام تو آپ ہیں، نماز آپ ہی پڑھائیے" تو اس کی حالت غیر ہو گئی، قدم لڑکھڑانے لگے، آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی اور گلا رندھ گیا اس نے سورۂ فاتحہ بھی بڑی مشکل سے مکمل کی، اور مختصر سورتوں کے ساتھ نماز اس طرح پڑھائی کہ ہم دوران نماز اس کے بے ہوش ہو جانے کے اندیشے میں مبتلا رہے۔ وہ ملتزم سے لپٹ کر جس طرح رویا، خانۂ کعبہ کے اندر جا کر جس طرح تڑپا اور جذبات تشکر سے اپنے رب کے سامنے گڑگڑایا، وہ اسکے صاحب ایمان ہونے کی دلیل تھی میں نے جب اس لرزہ براندامی کا سبب پوچھا تو اس نے انتہائی عاجزی اور انکساری کے ساتھ بتایا۔ "صلاح الدین صاحب! میرے لئے یہی سعادت کیا کم تھی کہ اللہ تعالیٰ مجھے ہر سال کم از کم ایک بار ضرور زیارت حرمین شریفین عطا کر دیتا ہے، میں گنہگار تو بیت اللہ میں حاضر کا مستحق بھی نہیں یہ تو بس اسی کا کرم ہے۔ یہاں نماز پڑھنا ہی بڑی سعادت ہے۔ اسمیں امامت کے مصلیٰ پر ضیاء الحق کو کھڑا کر دیا جائے۔ یہ تو میرے تصور میں بھی نہیں آسکتا۔ میں اپنی حیثیت اور اس مصلے کی بلند حیثیت کے خیال سے پانی پانی ہوا جا رہا تھا۔ امام صاحب نے مجھ پر ایسا بوجھ رکھ دیا جسے اٹھانے کی مجھ میں سکت نہ تھی۔" میں نے چین میں جاپان میں، انڈونیشیا، ملائشیا، سنگاپور تھائی لینڈ، مصر، ترکی، بھارت اور دیگر ممالک میں اسے عین مذاکرات اور انٹرویو کے دوران گھڑی دیکھ کر جس طرح پابندی وقت کے ساتھ نماز ادا کرنے کے لئے اٹھتے دیکھا اور بیرونی سفر میں بھی تہجد کا اہتمام کرتے دیکھا وہ حقوق اللہ کے معاملے میں اس کے احساس فرض اور تعلق باللہ کا بین ثبوت تھا۔

۲ـــ اللہ تعالیٰ کی قوت کاملہ پر اس کا پختہ یقین تھا۔ بھٹو کی پھانسی کا نازک مرحلہ ہو افغانستان پر روس اور اس کی کٹھ پتلی حکومت کی دھمکیاں ہوں یا امریکہ میں یہودیوں کی پاکستان دشمن مہم ہو یا تخریب کاری کے بڑے واقعات ہوں، بے نظیر کی لاہور آمد پر لاکھوں کا ہجوم، امریکہ کی طرف سے اقتصادی امداد بند کرنے کی دھمکیاں ہوں، یا اوجڑی کیمپ کا واقعہ، میری نگاہ نے اس شخص کے چہرے پر کبھی پریشانی کے آثار نہیں دیکھے۔ اس کے مزاج میں بلا کا ٹھہراؤ تھا۔ وہ عزیمت اور استقامت کی چٹان تھا اور اس کے قلب کی سکینت اور اس کے

[1] میرے عزم وارادہ کی گرمی، پانی کو آگ بنا دیتی ہے، اور میرے حلم وتدبر کی حکمت عملی تلوار کو کند کر دیتی ہے۔

[2] ان لوگوں نے میری قدر نہ کی میری ناقدری کر کے مجھے ضائع کر دیا۔ انہوں نے کیسے جواں مرد وہونہار سپوت کو ضائع کر دیا۔

نقش مصطفیٰ کا حقیقی سبب اللہ کی ذات پر اس کا غیر متزلزل ایمان تھا۔

۳ — وہ جذبۂ حبِ رسولؐ سے سرشار تھا میں نے اسے رمضان المبارک میں اور سال کے دوسرے مہینوں میں مسجد نبویؐ میں جس خشوع و خضوع سے محو عبادت دیکھا ہے جس انہماک سے تلاوت کلام پاک، نوافل اور وظائف میں مستغرق پایا ہے اور جس مواجہ شریف کے سامنے سے گزرتے، روضۂ رسولؐ کے اندر داخل ہوتے اور وہاں غلاف قبر رسولؐ سے لپٹ کر روتے اور اپنی مغفرت کی دعائیں کرتے دیکھا ہے۔ وہ اس کے عاشق رسولؐ ہونے کی کھلی نشانی تھی۔ وہ اپنے رفقاء کی پوری ٹیم میں عبادت اور حضوریٔ قلب کے لحاظ سے سب سے آگے ہوتا۔ لوگ نوافل، تلاوت اور نماز باجماعت کے درمیانی وقفوں میں آپس میں گفتگو کر لیتے، کچھ دیر کے لئے بازار ہو آتے، ادھر ادھر گھوم لیتے، لیکن وہ مسجد نبویؐ میں حاضری کے بعد یہاں سے رخصت ہونے تک مسلسل محو عبادت رہتا دوسروں کے حقوق اور تمناؤں کا بھی خیال رکھتا۔ مصلیٰ رسولؐ پر سجدہ ریز ہونے کے بعد اٹھتا اور اشارے سے سب کو باری باری وہاں نوافل پڑھنے کی ترغیب دیتا۔ اسنے کبھی مجیب الرحمٰن شامی کا کبھی میرا اور کبھی کسی اور کا بازو پکڑ کر اسے آگے بڑھایا اور خود پیچھے ہٹ گیا۔ اس کی کوشش ہوتی کہ ایسے ہر سفر میں جس کی راہ میں سعودی عرب آتا یا قریب پڑتا ہو، وہ حاضریٔ حرمین سے ضرور مشرف ہو۔ صلوٰۃ وسلام سے تقریب کا آغاز، تلاوت کے بعد نعت کی روایت، ہر سال سیرت کانفرنس کا اہتمام سیرت کی کتابوں پر انعام اور ہجرت کمیٹی کا قیام اس کے حب رسولؐ ہی کے مظاہر تھے۔

۴ — وہ ایک مسلمان کی حیثیت سے حرمین کی حاضری ہی کو اپنی سعادت نہ سمجھتا تھا بلکہ اس کی پاسبانی کا فرض ادا کرتے ہوئے اپنی جان دینے کی آرزو بھی رکھتا تھا۔ مارچ ۸۳ء میں دہلی میں غیر وابستہ تنظیم (Nam) کی کانفرنس کے موقع پر جب پاکستانی سفارت خانے میں مدیران اخبارات کو دی جانے والی چائے کی دعوت میں ایک انگریزی روزنامے کے ایڈیٹر نے صدر سے کہا کہ "جناب، آپ کی ایک لاکھ فوج تو سعودی عرب میں موجود ہے کیا آپ کا یہ کرائے کی فوج (MERCENERY.) کا کردار بھی ادا کرتے ہیں۔" تو صدر نے قہقہہ لگا کر جواب دیا۔ "یہ معاملہ آپ کی سمجھ میں آسانی سے نہیں آئے گا۔ بات یہ ہے کہ مسلمان دنیا کے کسی خطے میں آباد ہو۔ اس کا ایمانی رشتہ سرزمین حرمین ہی سے قائم رہتا ہے، وہ اسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا ہے اس کا کعبہ وہیں ہے۔ اس کے رسولؐ کا شہر وہیں ہے، وہ اپنے ایمان کی رو سے اس سرزمین کو خود اپنے وطن کی زمین سے زیادہ مقدس اور متبرک سمجھتا ہے اسکے دفاع کو اپنے وطن کے دفاع سے زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ اپنے وطن پر جان دینے سے زیادہ بڑی سعادت حرمین کے لئے جان دینے کو سمجھتا ہے۔ ہماری جو فوج وہاں موجود ہے وہ دفاع وطن سے زیادہ اہم ذمہ داری ادا کر رہی ہے۔ خود ضیاء الحق اگر پاکستان کی حفاظت کرتے ہوئے جان دینے کی بجائے سرزمین حرمین کے دفاع میں جان دے تو خود کو زیادہ خوش نصیب سمجھے گا۔ جن صاحب نے یہ سوال کیا تھا ان کے ہاتھ میں چائے کی پیالی تھی جو جواب سننے کے بعد کھڑکھڑانے لگی اور وہ اسے میز تک پہونچانے کے لئے وہاں سے کھسک لئے جس کا سینہ ایمان سے خالی ہو کیا اس کی زبان پر ایسا مسکت جواب آسکتا ہے؟

۵ — وہ اسلام سے گہرا جذباتی اور شعوری رشتہ رکھتا تھا اور اس کے نفاذ کا آرزومند تھا۔ نفاذ اسلام کے ابتدائی اقدامات کے نتائج و اثرات اور اس کی راہ میں حائل رکاوٹوں کا جائزہ لینے کے لئے

جب اسلام آباد میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی تو اس نے غیر منتخب حکومت کے ہاتھوں نفاذ زکوٰۃ کی کوشش کو ناجائز ٹھہرانے والے ایک عالم دین سیاست داں کے بیان کا حوالہ دیتے ہوئے سامنے بیٹھے ہوئے علماء کرام سے پوچھا محترم علمائے کرام! مجھے یہ بتایئے کہ اگر کل میں خدا کے حضور حاضر ہوں اور وہ مجھ سے پوچھے کہ ضیاء الحق، میں نے تجھے زمین پر اقتدار و اختیار بخشا تھا، پھر تو نے اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کا فریضہ کیوں ادا نہیں کیا۔ اور میں اس کے جواب میں عرض کروں کہ باری تعالیٰ میں منتخب حکمراں نہیں تھا مجھے ایسا کرنے کا کوئی اختیار حاصل نہیں تھا تو کیا اس جواب سے میری برأت ہو جائے گی؟ اس پر مولانا عبدالمالک کاندھلوی نے وضاحت کی کہ آپ کی برأت نہیں ہو سکتی۔ اقامت صلوٰۃ، ایتائے زکوٰۃ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر آپ کی منصبی ذمہ داری ہے دوسرے علمائے نے بھی اس کی تائید کی اور پھر باقاعدہ بحث کا آغاز ہوا۔ اسی اجلاس میں صدر ضیاء الحق نے دائیں بائیں بیٹھے ہوئے وزراء کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ سب اس معاملہ میں میرے مخالف ہیں لیکن میں انشاء اللہ تعالیٰ نفاذ اسلام کے لئے جو کچھ بن پڑا، ضرور کروں گا۔ بحیثیت مسلمان اسے مؤثر اور نتیجہ خیز بنانا سب کی ذمہ داری ہے نفاذ کا اختیار میرے پاس ہے، وہ میں ضرور استعمال کروں گا، اور **پالیسی کی حد تک ایسے فیصلے کر جاؤں گا جنہیں بعد والے کبھی منسوخ نہ کر سکیں گے**

بلاشبہ صدر ضیاء الحق نفاذ شریعت کا کام مکمل نہ کر سکے لیکن ماضی کے تمام حکمرانوں کی مجموعی کارکردگی کا موازنہ اگر ان کے کسی کام سے کیا جائے تو ان کا پلڑا بھاری نکلے گا انہوں نے ملک کو ایک سمت دی۔ اقامت صلوٰۃ، نظام زکوٰۃ، بلا سود بینکاری، حدود آرڈی ننس، شریعت کورٹ، اسلامی نظریاتی کونسل، لاء کمیشن، نفاذ شریعت آرڈی ننس اور قاضی عدالتوں کی آخری اسکیم اسی سمت میں منزل کی جانب بڑھنے کی کوشش اور اس راہ کے سنگ ہائے میل ہیں۔ یہ کوشش کیسی ہی حقیر اور غیر مؤثر کیوں نہ ہو، اس کا کریڈٹ انہی کو جائے گا۔ وہ معیار مطلوب پر تو ناکام نظر آئیں گے لیکن کمیت اور کیفیت کے لحاظ سے ان کا قیام پاکستان کے بعد ماضی کے تمام حکمرانوں کے کام سے زیادہ وسیع اور وقیع قرار پائے گا بے شک وہ اپنی اور ہماری خواہش کے مطابق اس راہ پر زیادہ آگے نہ جا سکے لیکن مستقبل میں کسی نے اس راہ پر مزید آگے بڑھنا چاہا تو وہ محسوس کرے گا، برملا اعتراف کرے گا، کہ ضیاء الحق مرحوم اس کا کام کتنا آسان کر گئے ہیں۔ اس راہ کی مزاحمتوں اور کانٹوں کو چن کر وہ نفاذ اسلام کی منزل پر پہنچنے کی آرزو رکھنے والوں پر کتنے احسانات چھوڑ گئے ہیں۔

۶ — وہ اپنی ذاتی زندگی میں ایک صاف ستھرا اور منکرات سے پاک انسان تھا۔ یہ پاکیزگی اس کے اقتدار کا نمائشی خول نہ تھی۔ اس کی شخصیت کا جزو لاینفک تھی۔ اس کے بچپن کے ساتھی اور فوجی زندگی کے رفقاء اس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ وہ ہمیشہ سے نماز کا پابند تھا۔ تہجد گذار تھا، تلاوت اس کا محبوب مشغلہ تھا۔ کبھی شراب کو ہاتھ نہیں لگایا۔ اسے کبھی کسی بیہودگی اور بداخلاقی میں مبتلا نہیں دیکھا گیا۔ اسے جب فوجی اور سیاسی قیادت میسر آئی تو فوج میں شراب پانی کی طرح پی جاتی تھی اور سابق حکمراں کے دور میں اباحیت پسندی، فحاشی و عریانی غنڈہ گردی اور بدمعاشی ملک کی معاشرتی زندگی پر چھا گئے تھے۔ اس نے فوج کو انگریزوں کے دور سے چلی آنے والی برائی سے پاک کیا میس سے شراب خانے رخصت ہوئے، ہر میس میں، فوجی بیرک میں مساجد قائم ہوئیں۔ نماز باجماعت کا اہتمام ہوا، نصاب تربیت میں قرآن و سنت، سیرت صحابہؓ اور نامور مسلمان جرنیلوں کی زندگی کا مطالعہ غالب عنصر بنا۔ فوجی ماحول یکسر تبدیل ہوا۔

فوج میں پہلی بار بطور امام علماء اور ایم۔ اے اسلامیات کی سند رکھنے والوں کا تقرر گریڈ نمبر ۱۸ میں ہوا اور انہیں کمیشنڈ افسروں کے مساوی رتبہ ملا۔ فوج کو ایمان، تقویٰ اور جہاد کا وہ سہ نکاتی نعرہ دیا جو درحقیقت ایک مسلمان سپاہی کو اسلامی فکر و کردار کے سانچے میں ڈھال دینے والا ہے۔ جن لوگوں کو مختلف ادوار میں فوجی ہیڈکوارٹرز اور اس کے تعلیمی و تربیتی اداروں کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے، وہ سب اس امر کی گواہی دیں گے، کہ ضیاء الحق شہید نے اس کے ماحول کو اسلامی رنگ میں رنگنے کے لئے کتنا نمایاں کام کیا ہے۔ اس سلسلہ میں ان کے احکام، ہدایات، اور تقاریر کا مطالعہ کر کے اگر کوئی تحقیقی کام کیا جائے تو میری طرح کے افرادی نہیں، پوری دنیا گواہی دے گی کہ ضیاء الحق مرحوم نے اس شعبہ میں کیا کچھ کیا ہے۔

مرحوم بلا شبہ معاشرے کو بدعنوانیوں اور دوسری برائیوں سے پاک نہ کر سکے لیکن ملک کی مجموعی فضا کو انہوں نے شرافت و شائستگی اور پاکیزگی سے ہمکنار کرنے کی مقدور بھر کوشش کی۔ شدید ترین مزاحمت کے باوجود انہوں نے پی۔ آئی۔ اے کی بین الاقوامی پروازوں سے شراب کا خاتمہ کیا۔ سفارت خانوں کی تقریبات اور دعوتوں سے بھی ام الخبائث کا صفایا کیا۔ دفاتر، اداروں، ہوائی اڈوں ریلوے اسٹیشنوں، پارکوں اور تفریح گاہوں میں مساجد قائم کی گئیں۔ اس دور میں سرکاری اور غیر سرکاری شعبے میں تعمیر مساجد کا جیسا ذوق و شوق ابھرا اور جتنی کثیر تعداد میں وسیع و خوبصورت اور جملہ ضرورتوں سے آراستہ مساجد تعمیر ہوئیں، اسکی نظیر ماضی میں نہیں ملتی شاید اسی خدمت کے صلہ میں اللہ نے اسے عالم اسلام کی انتہائی حسین اور کشادہ مسجد شاہ فیصل کی آغوش میں ابدی آرام کی سعادت سے نوازا، اور اس مسجد کو مسلمانوں کے دو عظیم رہنماؤں کی شہادت کی یادگار علامت بنا دیا۔

ضیاء الحق نے ایوان ہائے اقتدار کو بیہودگیوں سے پاک کر کے اسلامی اخلاق

کی فضا سے معمور کیا۔ بینڈ باجے والے چھچھورے لباس کو رخصت کر کے قومی لباس کو اس کی جگہ دی۔ اور اپنے وزراء افسران صاحبان، اور اعلیٰ سرکاری حکام کو اسکا پابند بنا کر ملک اور بیرون ملک اس لباس سے قوم کا شائستہ اور باوقار تشخص قائم کیا۔ قومی زبان کو ذریعہ اظہار بنا کر اس کو کسمپرسی اور احساس کمتری سے نجات دلائی۔ تلاوت کلام پاک اور اس کے ترجمے سے کابینہ کے اجلاس کا آغاز کرنے کی روایت قائم کی۔ ریڈیو، ٹی وی اور اخبارات سے حتی الامکان فحاشی و عریانی کو ختم کرنے کی کوشش کی معیار مطلوب کی بجائے اگر ان کی کوششوں کے حاصل کا موازنہ ماضی کی حکومت کے رنگ ڈھنگ سے کیا جائے تو نمایاں تبدیلی محسوس کی جا سکتی ہے۔

مرحوم نے ۷ جولائی کو اسلام آباد میں مدیران اخبارات کو جو آخری عشائیہ دیا تھا۔ اس میں شائع شدہ فحش تصاویر کا ایک انتخاب انھیں ایک خاتون کی نہایت موثر آواز کے ساتھ ایک بڑے اسکرین پر پیش کر کے شرم دلائی تھی کہ تم اپنی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کو کس روپ میں پیش کر رہے ہو؟ ان تصویروں کو دیکھ کر انکے شائع کرنے والوں نے بھی شرم سے گردنیں جھکا لیں اور بعض لوگ احساس جرم سے آبدیدہ ہو گئے۔

کیا فحاشی و عریانی کا کوئی سرپرست اس طرح کی تدابیر انسداد اختیار کر سکتا تھا ضیاء الحق نے ایسا ایک بار نہیں متعدد بار کیا اور مدیران اخبارات سے ان کی شاید ہی کوئی ایسی ملاقات ہو جس میں انہوں نے اس پہلو پر اپنے دکھ کا اظہار اور بے حیائی کے خاتمہ کی درخواست نہ کی ہو۔ اس محاذ پر ان کی کشمکش کا حال سابق وزیر اطلاعات و نشریات راجہ ظفر الحق صاحب تفصیل سے پیش کر سکتے ہیں۔ مرحوم صدر نے پاکستان ایڈورٹائزنگ ایسوسی ایشن کے ساتھ اپنے حالیہ مذاکرات میں ٹی وی اور اخبارات کے اشتہارات کے نئے ضوابط دیے، اور پابندیاں عائد کیں ان پر اور سینٹ سٹینڈنگ کمیٹی کے چیئرمین جناب ایس ایم ہاشمی روشنی ڈال کر اپنی گواہی ریکارڈ کرا سکتے ہیں۔ فحاشی اور عریانی سے دلچسپی رکھنے اور کاروباری منفعت کی خاطر برقرار رکھنے والی قوتوں نے اگرچہ صدر ضیاء الحق کو زیادہ کامیاب نہ ہونے دیا، لیکن یہ کہنا بہت بڑا ظلم ہوگا کہ مرحوم اس برائی کے سرپرست تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ملک کی مجموعی فضا کو اسلامی اقدار اخلاق سے ہمکنار دیکھنے کے آرزومند تھے، اور حتی المقدور اس کے لئے انہوں نے کوشش بھی کی۔

۷ — سابق دور میں علماء اور دینی شعائر کی جس طرح بے حرمتی کی گئی اس کیلئے مسلم مسجد لاہور کے سانحہ اور ملتان میں ایک ممتاز عالم دین کے ساتھ طوائف کی جبری تصویر کے واقعہ کا حوالہ کافی ہے۔ ضیاء الحق نے علماء کا وقار و احترام نہ صرف بحال کیا بلکہ اسے بہت بلند کر دیا۔ دینی مدارس کی سرپرستی کی، ہر طبقے اور مسلک کے علماء کو مجلس شوریٰ میں نمائندگی دی۔ انہیں قومی اسمبلی اور سینٹ تک پہونچنے میں مدد دی۔ مختلف کانفرنسوں اور سرکاری تقریبات میں شرکت کرنے والے معزز مہمانوں کی فہرست میں انہیں شامل کیا، شریعت کورٹ، اسلامی نظریاتی کونسل اور اب بطور مشیر انہیں ہائی و سپریم کورٹ سے وابستہ کیا، وہ اپنے بیرونی سفر میں ایک قاری، امام اور نعت خواں کو ضرور ساتھ لے جاتے۔ طیارہ کی پرواز سے قبل مسنون دعاء پرواز کے دوران منتخب آیات کی تلاوت اور ان کے ترجمہ کا سلسلہ انہیں کی ہدایت پر شروع ہوا انہوں نے تاریخ میں پہلی بار اقوام متحدہ میں اور فیڈل کاسٹرو کے ملحد ملک کیوبا میں اپنی تقریر سے قبل تلاوت قرآن کا اہتمام کر کے اپنی جرأت ایمانی کا ثبوت دیا اور دنیا کو حیرت میں ڈال دیا۔ پاکستان میں علماء کی قدر و منزلت اور دینی شعائر کی حرمت و پاسبانی ایسی کبھی نہیں ہوئی تھی جیسی صدر ضیاء کے دور میں ہوئی۔ میں نے انہیں ملکی و غیر ملکی علماء کا جس طرح احترام کرتے اور ان کے آگے بچھتے دیکھا ہے وہ انہیں کا حصہ تھا انہوں نے شیخ الازہر کے استقبال کے لئے خود ایر پورٹ جا کر اکرام علماء کی ایک مثال قائم کی وہ جب بھی کسی مسلم ملک کا دورہ کرتے وہاں مقامی علماء سے ان کی ملاقات پروگرام کا لازمی حصہ ہوتی، کسی غیر مسلم ملک جاتے تو وہاں کسی مسجد میں نماز جمعہ کے موقع پر علماء اور مقامی مسلمانوں سے ملنے کی سبیل پیدا کرتے، پاکستان کے کسی سربراہ کو حرمین شریفین کے اماموں سے لے کر سعودی عرب، امارات، مصر، عراق و ایران بھارت، ملیشیا، انڈونیشیا، افغانستان سوڈان اور دیگر ممالک کے علماء اور دینی حلقوں سے وہ عزت و پذیرائی حاصل نہیں ہوئی جو صدر ضیاء الحق مرحوم کو حاصل تھی، اس حلقہ میں اس کی محبوبیت دین سے اس کے لگاؤ کا ثمرہ تھی۔

۸ — وہ عالم اسلام کے اتحاد کا علمبردار تھا۔ اس نے شاہ فیصل شہید کے بعد بحیثیت مجموعی ان مقاصد کیلئے سب سے زیادہ کام کیا۔ وہ مسلم سربراہ کانفرنس میں سب سے فعال مستعد اور محبوب رہنما نظر آتا تھا اس کی بات پر خصوصی توجہ دی جاتی۔ اس نے ایران عراق جنگ میں امن کمیٹی کے رکن کی حیثیت سے اہم کردار ادا کیا اور ایران عرب ممالک کے درمیان اپنے تعلقات کو بڑی حکمت سے متوازن رکھا۔ بعض دوستوں کی ناراضگی مول لی لیکن اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ اس نے کاسا بلانکا کانفرنس میں عرب قومیت کے مقابلے میں اسلامی اخوت پر مبنی مسلم قومیت اور امت واحدہ کے تصور پر جس زور استدلال سے اور جذباتی انداز میں روشنی ڈالی۔ اس نے پوری مسلم دنیا اور اس کے رہنماؤں کو متاثر کیا۔ اس نے مصر کو دوبارہ عالمی اسلامی برادری کی تنظیم میں شامل کر کے جس طرح اسے یکا و تنہا ہونے سے بچایا وہ اس کا بہت اہم کردار تھا۔ وہ افغانستان اور فلسطین ہی کی آزادی کا متمنی نہ تھا، دنیا میں ہر جگہ مسلمانوں کو آزاد اور سربلند دیکھنا چاہتا تھا۔ ان کی تحریکوں سے اس کا گہرا ربط تھا۔ اور وہ سب کی رہنمائی کرتا، حتی المقدور انہیں مدد بہم پہونچاتا۔ اس نے مسلم دنیا میں سائنس اور ٹکنالوجی کی ترقی کے لئے کلیدی کردار ادا کیا۔ مسلم سربراہ کانفرنس کی کمیٹی کے چیرمین کی حیثیت سے اس شعبہ کی منصوبہ بندی کی اور چین اور جاپان کو اس مقصد کے لئے مسلم دنیا سے قریب تر کیا۔ اس کا آخری بیرونی سفر دورۂ کویت بھی اسی سلسلہ کی کڑی تھا۔ اس سے قبل اس نے مصر، ترکی، اور اردن کے دورے میں بھی اس شعبے کی ترقی پر سب سے زیادہ توجہ دی اور دفاعی صنعت کی ترقی میں باہمی تعاون کی راہ ہموار کی۔ دفاع میں مسلم دنیا کو بیرونی انحصار سے جلد از جلد نجات دلانا اس کی زندگی کا ایک اہم مشن تھا۔

۹ — وہ انتہائی محب وطن اور پاکستان کی ترقی و خوشحالی اور قوت و استحکام کا آرزومند تھا۔ اس کے نظریہ اور تحریک پاکستان کا گہرا شعور رکھتا تھا۔ وہ فکری لحاظ سے قائد اعظم اور لیاقت علی خاں کے بعد سب سے زیادہ روشن، بیدار اور صحتمند ذہن کا مالک تھا۔ اس نے ۱۴ اگست کے یوم آزادی کو، جو ایوب خاں کے دور سے پس منظر میں دھکیل دیا گیا تھا از سر نو پوری آب و تاب سے بحال کیا اسے نیا اور نہایت ولولہ انگیز رنگ دیا۔ اور تحریک پاکستان، ہجرت اور مقاصد پاکستان کی روح کو اس میں سمو کر قوم کی ذہنی تربیت کا اہتمام کیا اس کے جذبۂ حب وطن کی آبیاری کی۔ اقوام متحدہ میں مسئلہ افغانستان پر ۱۲۳ ووٹوں کی مدد سے روس کی مذمت کی روس کے زیر اثر بننے والی غیر جانبدار تحریک کے ۱۰۱ ملکوں کی طرف سے، بھارت کے دار الحکومت دہلی میں اور آنجہانی اندرا گاندھی کے زیر صدارت اجلاس میں روسی مداخلت کے خلاف قرارداد کی منظوری ان کی ڈپلومیسی ہر نقطۂ نظر کے رہنماؤں سے اس کے ذاتی مراسم اور ان پر اثر انداز ہونے کی غیر معمولی صلاحیت کا بین ثبوت ہے۔ مجھے یاد ہے اس موقع پر بعض عرب سربراہوں سمیت متعدد رہنماؤں نے میزبان ملک سے شکوہ کیا تھا کہ اخبارات، ریڈیو اور ٹیلیویژن پر ہر جگہ ضیاء الحق چھائے ہوئے ہیں، اور ہمیں نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ میں نے اپنے کانوں سے ایک ممتاز بھارتی صحافی کو کہتے سنا کہ: جنرل ضیاء الحق اس کا مستحق ہے کیونکہ اس کانفرنس میں اس سے زیادہ لائق توجہ اور مقبول رہنما کوئی نہیں۔" اسنے بنگلہ دیش میں دوبارہ پاکستان سے محبت کی فضا پیدا کی اس کٹے ہوئے بازو کو پاکستان سے گہرے تعلقات کے رشتوں میں جوڑا۔ اس نے موتمر عالم اسلامی تنظیم اور بڑے ممالک سے روابط کو پاکستان کی قوت اور اس کے تحفظ کے لئے استعمال کیا اور یوں رقبے، وسائل فوج اور آبادی کے عدم توازن کی کمی کو سفارتی ذرائع سے پورا کیا۔ جہاد افغانستان میں کلیدی کردار ادا کر کے پاکستان کی اہمیت منوائی اسکی جرأت و استقامت اور قوت کا لوہا منوایا اور ساری دنیا کی توجہ کا مرکز بنا کر اپنے ملک کو عالمی برادری میں انتہائی محترم اور باوقار مقام دلایا۔ اسنے ایک مدبر کی حیثیت سے عالمی رہنماؤں میں جو عزت و شہرت پائی

اور احترام حاصل کیا، وہ پاکستان میں کسی دوسرے حکمران کو نصیب نہ ہو سکا۔

10۔ وہ حقیقتاً جہاد افغانستان کا اصل قائد تھا۔ پاکستان ۳۰ لاکھ سے زائد مہاجرین کی میزبانی و نگہداشت کا بوجھ نہ اٹھاتا، افغانستان کی سرزمین پر اپنی آزادی کی جنگ لڑنے والوں کا مددگار و پشتیبان نہ بنتا اور بین الاقوامی سطح پر ان کے موثر وکیل و ترجمان کا کردار ادا نہ کرتا تو جہاد افغانستان کا تسلسل قائم نہ رہ سکتا تھا۔ اس کردار نے دنیا کے سامنے دو باتیں واضح کیں۔ ایک یہ کہ مسلمان جسد واحد کی طرح ہیں۔ ان کی جغرافیائی سرحدیں ان کے مختلف مورچوں اور پناہ گاہوں کی حیثیت رکھتی ہیں، ان کا وجود ربط باہم سے قائم ہے۔ وہ ایک دوسرے کی خاطر جینے مرنے کا عزم رکھتے ہیں اور ان کے وسائل پوری امت مسلمہ کی امانت ہیں۔ دوسری بات یہ واضح کی کہ کسی آزاد و خود مختار ملک پر بیرونی جارحیت کا مقابلہ محض قراردادوں اور مذمتی بیانات سے نہیں کیا جا سکتا۔ اگر مظلوم قوم کے ساتھ عملاً کھڑے ہو کر ظالم اور جارح ملک کا مقابلہ کیا جائے تو دنیا کی کوئی قوت خواہ وہ سپر پاور ہی کیوں نہ ہو، بھاگ کھڑے ہونے پر مجبور کی جا سکتی ہے۔ آج روسی فوجوں کی واپسی میں جتنا حصہ ہمارے افغان بھائیوں کی قربانی کا ہے اتنا ہی دخل پاکستان کی جرأت و استقامت اور اس کی سرپرستی و رہنمائی کا بھی ہے۔ ضیاء الحق کو افغان تنظیموں کی مشترکہ کونسل کی جانب سے "شہید جہاد افغانستان" کا خطاب اور کابل کی سب سے بڑی مسجد کا ان کے نام سے انتساب ان کے عظیم کردار کا کھلا اعتراف اور خراج عقیدت ہے۔ وہ اس کردار کی بدولت ایک بہادر اور ذہین مسلم جرنل کی حیثیت سے ہمارے قابل فخر سپہ سالاروں کی صف میں شامل کئے جائیں گے۔ انہوں نے جہاد افغانستان کے لئے اپنے ملک کو داؤں پر لگایا، اندرون ملک شدید مزاحمت کا سامنا کیا، روسی سفیروں، وزیروں اور سربراہوں کی ایسی ایسی دھمکیاں سنیں جو ابھی منظر عام پر نہیں آئیں۔ اس نے صرف خدا کی قوت و نصرت پر بھروسہ کیا اور کبھی حوصلہ نہ ہارا۔ اس نے ایٹمی توانائی کے مسئلہ پر پوری دنیا اور بالخصوص امریکہ کے دباؤ اور دھمکیوں کا بھی جرأت کے ساتھ مقابلہ کیا اور اقتصادی بائیکاٹ کے فیصلوں سے وہ ذرا بھی ہراساں نہ ہوا۔ اسے افغانستان کی آزادی سے اتنی دلچسپی تھی کہ اس کا اندازہ جناب مجیب الرحمان شامی کے کالم مطبوعہ نوائے وقت راولپنڈی، ۱۹ اگست ۱۹۸۸ء میں بیان کردہ واقعات سے ہو سکتا ہے جس میں وہ نجیب اللہ کو رخصت کرنے کیلئے خود اپنے اقتدار سے رخصت ہونے کی شرط بلا تامل قبول کرتا ہے۔ وہ افغانوں کو کس قدر عزیز اور محبوب تھا۔ اس کا اندازہ گلبدین حکمت یار کی اس پیشکش سے کیجیے جو انہوں نے ایک مذہبی جماعت کے ممتاز رہنما کی مذمت میں یہ کہہ کر پیش کی تھی کہ: "اگر آپ کو یہ شخص پسند نہیں تو اسے ہمارے حوالہ کر دیجیے، ہم اسے آزاد افغانستان کا صدر بنائیں گے"

11۔ وہ ذاتی زندگی میں اسلامی اخلاق اور مشرقی تہذیب کا نمونہ تھا۔ اس نے اپنے سیاسی حریفوں سے قید و بند میں بھی حسن سلوک کی ایک نئی روایت قائم کی۔ انہیں جیلوں کی بجائے زیادہ تر اپنے گھروں میں نظر بند رکھا، اور ماضی کی روایات کے برعکس ان کی تذلیل و تحقیر سے ہمیشہ گریز کیا۔ تنقید میں کبھی تہذیب و شائستگی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا، کبھی سہواً بے احتیاطی ہوئی تو معذرت خواہی میں تاخیر نہ کی۔ اسمیں خوش خلقی، تواضع، انکسار، حلم و بردباری، صبر و تحمل اور عفو و درگذر کی صفات بہت نمایاں تھیں۔ وہ چھوٹے بڑے کے کسی امتیاز کے بغیر سب سے عاجزی اور انکساری کے ساتھ ملتا۔ ۸۲ء میں دہلی میں غیر جانبدار تحریک کانفرنس کے موقع پر پاکستانی سفارت خانہ کے استقبالیہ میں ایک ضعیف ملازم اپنی خدمت انجام دیکر قدرے دور جا کر دروازے سے لگ کر کھڑے ہو گئے۔ صدر ضیاء الحق اس وقت ایڈیٹروں سے مصروف گفتگو تھے، اہم مسائل زیر بحث تھے۔ صدر کی نظر اچانک اس ملازم پر پڑی، چائے کی پیالی میز پر رکھی ایڈیٹروں سے چند منٹ کی اجازت چاہی اور تیزی سے دروازے کی جانب بڑھے۔ اس بوڑھے ملازم کو سینے سے لگایا اس کی اور اس کے بال بچوں کی خیریت دریافت کی، اس سے پوچھا "میں تمہاری کیا خدمت کر سکتا ہوں؟" وہ بوڑھا پھولے نہ سماتا تھا۔ ہم سب حیران تھے کہ صدر نے سب کو چھوڑ کر اور سلسلہ کلام توڑ کر اس سے فوراً ملنے کی ضرورت کیوں محسوس کی ایسے درجنوں مناظر میری آنکھوں میں محفوظ ہیں جو اس شخص کے حسن اخلاق کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔

تمام دوستوں اور دشمنوں کی متفقہ رائے ہے کہ صبر و تحمل میں اس جیسا وسیع القلب حکمراں تو کجا، عام آدمی ملنا مشکل ہے۔ ہمارے بڑے بڑے نامور سیاستداں تنقید کا ایک جملہ برداشت نہیں کر پاتے اور اختلاف رائے پر شدید غیظ و غضب کا مظاہرہ کرتے ہیں، لیکن اس شخص نے کڑوی سے کڑوی بات اور انتہائی تند و تیز بلکہ گستاخانہ لہجہ کو بھی جس طرح برداشت کیا، اس کی نظیر نہیں ملتی۔ میں پورے شرح صدر سے گواہی دے سکتا ہوں کہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے بعد میں نے ایسا متحمل مزاج شخص نہیں دیکھا۔ میں نے پری سنسر شپ کے زمانہ میں سوا دو سال اس سے احتجاجاً ملاقات نہیں کی، سخت ترین زبان میں خطوط لکھے، مختلف مسائل پر اپنے شدید اختلاف کا مظاہرہ کیا۔ اور بعض اوقات لہجہ بھی تلخ اختیار کیا لیکن اس نے کبھی خفگی اور بدمزگی کا مظاہرہ نہ کیا، ہمیشہ عزت و احترام کا رویہ رکھا۔ اس سلسلہ میں سینکڑوں واقعات ہیں جو سینے میں محفوظ ہیں۔ صدر ضیاء الحق سے میری آخری ملاقات ۸ جولائی کو مدیران اخبارات کے اعزاز میں دی جانے والی دعوت عشائیہ کے موقع پر ہوئی۔ ان کا معمول تھا کہ دروازے پر کھڑے ہو کر مہمان سے مصافحہ کرتے اور رخصت کرتے وقت اسے موقع دیتے کہ وہ کچھ کہنا چاہے تو کہہ سکے مجھ سے آخری گفتگو یہ ہوئی۔ صلاح الدین صاحب! آپ حج کے لئے تشریف لے جا رہے ہیں میرے لئے دعا کیجئے، دربار رسولؐ میں میرا سلام عرض کیجئے گا۔

12۔ وہ غریبوں، بیواؤں، یتیموں، اور ناداروں کا ہمدرد و غم خوار تھا۔ میں نے کراچی سنٹرل جیل میں مقید پیاسی کے کارکن محمد یٰسین مرحوم کی بیوی بچوں کی پریشانی کا ذکر کیا تو ایک رقم عنایت فرما دیا، قرآنی عمرانیات کے پروفیسر ڈاکٹر بشارت علی اس کی بقیہ سزا معاف کر دینے کی درخواست کی، انہوں نے رہائی کا حکم جاری کر دیا۔ ممتاز ادیب و شاعر سلیم احمد مرحوم کی بیوہ اور یتیم بچوں کیلئے ایک مکان کی خریداری میں مدد دینے کی درخواست کی، انہوں نے ۵۰ ہزار روپے کا عطیہ، معذوری اور کسمپرسی کا حال سنایا تو انہوں نے ۲ ہزار روپے ماہانہ کا وظیفہ بیوی اور معذور بیٹے کی زندگی تک کے لئے مقرر کر دیا۔ برگیڈیئر ایف، بی علی اور دیگر کے مقدمہ میں جس کا فیصلہ اٹک کے قلعہ میں خود جنرل ضیاء الحق نے بھٹو دور میں سنایا تھا، جو لوگ ماخوذ تھے ان کے اہل خانہ کی پریشانیوں کے پیش نظر سزاؤں میں معافی کی درخواست کی تو انہوں نے اسے قبول کر لیا اس موقع پر جو گفتگو کی وہ بہت دلچسپ تھی۔

اللہ نے اس شخص کو درد مند دل سے نوازا تھا، وہ لوگوں کی پریشانیاں دور کرنے پر حتی المقدور توجہ دیتا تھا۔ اور یہ کام اجر آخرت کی نیت سے انجام دیتا تھا۔ وہ اقبال کے اس شعر کی مجسم تفسیر تھا۔ ؎

"ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن"

میری یہ گواہی صدر جنرل محمد ضیاء الحق شہیدؒ کے ذاتی اوصاف تک محدود ہے۔ جہاں تک ان کی پالیسیوں اور اجتماعی فیصلوں کا تعلق ہے ان میں متعدد امور پر ان سے میرا اختلاف رہا ہے۔ یہ ایک الگ موضوع ہے فی الحال صرف اتنا عرض کرنے پر اکتفا کروں گا کہ ہم سب فانی انسانوں کی زندگی خیر و شر کا مجموعہ، خطا کاری ہماری سرشت کا حصہ ہے، وہ انسان لائق تحسین ہے اور معاشرے کا مفید رکن ہے جس کی ذات میں خیر کا حصہ غالب اور کثیر ہو۔ ضیاء الحق بلاشبہ اسی زمرے میں آتے ہیں، خدا انہیں اپنی بے پایاں رحمتوں سے نوازے اور ان کے رخصت ہو جانے سے قیادت کا جو خلا پیدا ہوا ہے اسے اپنے فضل سے پر کرے، پاکستان کو دشمنوں سے محفوظ رکھے اور ہماری عافیت و سلامتی اور بقا و استحکام کے اسباب و ذرائع مہیا فرمائے۔ ——— آمین

بقیہ سوال و جواب

سوال:۔ دجال کے سلسلہ میں آئی ہوئی احادیث کو کارل مارکس سے متعلق بنا کر اسکو دجال ثابت کیا گیا ہے کیا یہ درست ہے؟

جواب:۔ کارل مارکس کی ضلال و گمراہی میں کوئی شک نہیں ہے لیکن وہ دجال جس کو حضرت عیسیٰؑ قتل کریں گے اور جس کو مسیح الدجال کہا جاتا ہے کارل مارکس نہیں ہو سکتا کیونکہ مسیح الدجال کی علامتیں اس میں نہیں پائی جاتیں۔

سوال:۔ بیوی کے جنازے کو کندھا دینا بیوی کے مرنے کے بعد چھونے کے حکم ہے کہ نہیں؟

جواب:۔ بیوی کے جنازے کو کندھا دینا اس کو چھونے کے حکم میں نہیں ہے کندھا دینا جائز ہے اور بیوی کو مرنے کے بعد چھونا ناجائز ہے۔

سوال:۔ کیا قربانی کے کھال کا ذاتی ڈھول بنا سکتے ہیں؟

جواب:۔ قربانی کے کھال کو اپنے کسی ذاتی کام میں لا سکتے ہیں لیکن اگر کھال فروخت کر دیگا تو اس کی قیمت کا صدقہ کر دینا واجب ہے۔

(بقیہ ص ۲ پر)

درجواب آں غزل

"ہندوستانی مسلمانوں کا مقام و منصب" کے عنوان سے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کا مضمون معاصر قومی آواز میں شائع ہوا تھا، اس کے جواب میں چودھری محمد نعیم صاحب نے "ہندوستانی مسلمانوں کا مقام و منصب ایک دوسرا رخ" کے عنوان سے سیکولر ازم منفی رجحانات کے تحت اور کمزور باتیں لکھی تھیں، "تعمیر حیات" اس طرح کی سطحی باتوں کو قابل جواب نہیں سمجھتا، لیکن مفتی شمس الدین صاحب نے اس کے جواب میں معاصر دعوت دہلی میں مضمون لکھا جو سنجیدہ اور معقول انداز تحریر کا حامل ہے، ہم مفتی صاحب کے جذبۂ حمیت دینی کے احترام میں اس مضمون کو تعمیر حیات میں شائع کر رہے ہیں، مضمون ایسا ہے کہ اس سے بہت سے ذہنوں میں پیدا ہونے والے شکوک و شبہات دور ہو جائیں گے۔

(ادارہ)

قومی آواز مورخہ ۲۹ اگست کے شمارہ میں چودھری محمد نعیم صاحب نے "ہندوستانی مسلمانوں کا منصب و مقام" "ایک دوسرا رخ" کے عنوان سے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کے اصل مضمون کے سلسلہ میں جو کچھ سپرد قلم کیا ہے، اس کا جواب تو محترم علی میاں صاحب ہی دینگے گرچہ پہلو ایسے بھی ہیں جس کی بنا پر ایک عام شخص بھی اپنا تاثر ظاہر کر سکتا ہے۔ جناب چودھری صاحب نے اسلام کی حقانیت، عقیدۂ آخرت، شریعت اسلامیہ کی دائمی حیثیت وغیرہ مسائل پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے انہیں طنز کا نشانہ بنایا ہے، مثلاً دوسرے الفاظ میں وہ فقہ و شریعت جس کے ہمہ گیر، دائمی اور مکمل ہونے کا اعلان متواتر کیا جاتا ہے صرف دو صورتیں قبول کرتی ہے، مسلمان حاکم ہوں یا محکوم موصوف کو شاید نہیں معلوم یا معلوم ہونے کے بعد قصداً تجاہل سے کام لے کر عام قارئین کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ جس شریعت کے دائمی اور مکمل ہونے کا اعلان علماء کرام کرتے رہتے ہیں اس کی حقیقت بس اتنی ہے۔ یعنی حاکم یا محکوم ہونے کے علاوہ کوئی اور صورت حال سامنے آئے تو اسلامی شریعت رہنمائی دینے سے قاصر ہے حالانکہ علوم اسلامیہ کے مبادیات سے تھوڑی بہت واقفیت رکھنے والا شخص بھی جانتا ہے کہ شریعت کے ماخذ قرآن و سنت کے بعد اجماع و اجتہاد بھی ہیں، (APPARATUS.) اور اس کی بنیاد پر قیامت تک آنے والے تمام مسائل کے بارے میں فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا قرون ماضیہ میں اگر حاکم اور محکوم کی دو شکلیں علمائے اسلام کے سامنے بالفعل آ سکی تھیں تو ان دونوں حالتوں سے متعلق احکامات مدون کر کے متعین طور پر ہماری کتب فقہ میں محفوظ کر دیئے گئے۔ لیکن جدید ریاستوں کے بعد جسمیں حاکم و محکوم کے بجائے شہریت اور قومیت کی بنیاد پر تمام باشندے اقتدار میں شریک ہوتے ہیں۔ بلاشبہ اسلامی ہدایت و رہنمائی کی ضرورت ہے خاص کر ان ملکوں میں جہاں مسلمان عددی اعتبار سے اقلیت میں ہیں لیکن دستور و قانون کی نظر میں مساوی ہیں۔ جس کی ایک مثال خود ہمارا ملک ہندوستان ہے اسلامی شریعت ہمیں کیا رہنمائی دیتی ہے، پہلے علمائے کرام کو اسلامی ماخذ کی روشنی میں ہماری رہنمائی کرنی ہے اور اسی حقیقت کی طرف مولانا علی میاں مدظلہ نے اپنے مضمون میں یوں اشارہ فرمایا ہے۔ "لیکن ہندوستان میں ہماری نوعیت اس وقت دونوں "حاکم و محکوم" راقم سطور سے "مختلف ہے اور وہ بڑی فکر انگیز، اجتہاد طلب، علمی ذہانت حقیقت پسندی اور سخت جدوجہد کی طالب بھی ہے یہ شریعت کا نقص نہیں بلکہ ہمارے فقہاء و مجتہدین کی ذمہ داری ہے کہ شریعت کی روشنی میں ہماری رہنمائی فرمائیں۔ جناب چودھری صاحب نے اسی طرح لفظ "ملت" کا بھی مذاق اڑایا ہے اور تحریک پاکستان کے قائدین کے افکار و خیالات سے اس کا رشتہ جوڑنے کی کوشش کی ہے قطع نظر اس کے کہ موجودہ دور میں قومیت (Nationality) کا کیا تصور ہے اس کے مضمرات کیا ہیں مسلمان ایک امت یا ملت ہونے کے باوجود کسی مخصوص خطہ اور انتظامی و سیاسی ڈھانچے میں رہتے ہوئے عالمگیر، معروف حقائق و اقدار سے ہم آہنگ رہ سکتے ہیں۔ بنا بریں مولانا علی میاں نے اگر ملت کا لفظ استعمال کیا ہے، تو اس پر معترض ہونے اور تحریک پاکستان سے اس کا تعلق جوڑنے کی کوشش غیر ضروری بلکہ شر انگیز بھی ہے۔ مسلمان نامی ایک گروہ جسے قرآن کی اصطلاح میں امت کہا گیا ہے ہماری بدقسمتی ہونے سیاسی حد بندیوں سے بالاتر ہے۔ اس کی تازہ ترین مثال خود برصغیر ہے۔ ۱۹۴۷ء تک ہم سب ایک تھے۔ اسکے بعد ایک حصے کا تعلق ہندوستانی اور دوسرے کا تعلق پاکستانی "قومیت ——— (NATIONALITY) سے ہو گیا۔ پھر یہ پاکستانی قومیت بھی ۱۹۷۱ء میں بنگلہ دیشی اور پاکستانی دو قومیتوں میں تقسیم ہو گئی۔ لیکن ملت جس کا وجود سیاسی و جغرافیائی حدود کا رہین منت نہیں ہے وہ پہلے بھی تھا اب بھی ہے اور قیامت تک انشاء اللہ باقی رہے گا۔ اس ملت یا امت کا تعلق ایک مخصوص عقیدہ رکھنے والے گروہ سے ہے جس کی اساس لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔ یہ نہ کسی خاص سیاسی حد بندی یا شمال و جنوب اور مشرق و مغرب کا پابند ہے نہ کسی خاص خطہ، زبان اور رنگ و نسل میں محدود جو لوگ بھی اس عقیدے کے حامل ہیں۔ وہ ایک ملت یا ایک امت ہیں اور میرے خیال میں موجودہ سیاسی تصور قومیت کے باوجود اس کی نفی ——— (NEGATION.) نہیں کی جا سکتی۔ لہٰذا مولانا علی میاں صاحب نے اگر یہ کہدیا کہ ہندوستان مختلف ملتوں کا ایک مجموعہ ہے تو اسمیں اعتراض یا اچنبھے کی کیا بات ہے۔ اگر یہاں، بقول چودھری صاحب، نسلی، علاقائی اور لسانی اکائیاں بھی ہیں تو اس سے مولانا کے موقف کی نفی یا تعارض تو نہیں ہوتا۔ شمال کے آرین اور جنوب کے دراوڑ مذہب کی بنیاد پر ایک ہیں اسی طرح شمالی ہند کے مسلمان جن کی مادری زبان اردو ہے وہ بنگالی، آسامی یا تامل اور ملیالم زبان والے مسلمانوں سے عقیدہ اور دین کی بنیاد پر ایک ہی ملت ہیں۔ یہ تعلق رنگ و نسل، خطہ اور زبان کے علاوہ امیر و غریب، پرولتاری اور بورژوا، حاکم و محکوم وغیرہ حد بندیوں سے بھی بالاتر ہے۔

محترم چودھری صاحب نے مسلمانوں پر لطف و کرم فرماتے ہوئے مزید نصیحت یہ فرمائی ہے کہ مسلمان، ملت کا نعرہ لگائیں گے تو اپنے پیروں پر کلہاڑی مارنے کے مصداق ہو گا۔ حالانکہ اپنی غلطی ان پر خود ہی واضح ہے کہ دستور نے بھی مذہبی گروہوں یا اقلیتوں کا وجود تسلیم کیا ہے۔ پھر بھی ازراہ "شفقت" اس میں مسلمانوں کے نقصان کے امکانات کی بنا پر صف بندی اور حقوق طلبی جائز بلکہ فرض کی ہے۔ فرماتے ہیں: "اصل تحفظ معاشی اور معاشرتی پیمانہ پر افراد کا مقصود ہے۔" اس مضمون میں گنجائش نہیں ہے کہ موصوف کے اشتراکی مطمح نظر پر گفتگو کی جائے۔ اہل نظر کے سامنے اشتراکیت کی ڈھلتی چھاؤں کا منظر کافی ہے۔

آگے چل کر اس پر بھی اعتراض کیا گیا ہے کہ مولانا علی میاں صاحب نے ملت اسلامیہ کو ان کا مقام، حیثیت اور ذمہ داری کی یاد دہانی کرائی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ جو حضرات اپنے بارے میں یہ یقین نہ رکھتے ہوں کہ وہ ملت اسلامیہ کے افراد ہیں اور اس حیثیت میں ان کی کچھ ذمہ داریاں بھی ہیں انہیں اس پر چیں بجبیں ہونے کی کیا ضرورت ہے انہیں اپنے مسلک اور نظریہ کی تبلیغ و ترویج کی کھلی چھوٹ ہے۔ دیگر مذاہب کے ماننے والے حضرات بھی اپنے عقیدے اور مسلک کی تبلیغ و اشاعت کا حق رکھتے ہیں۔ اسلام کے بارے میں بھی ہر شخص کو علم و استدلال کی روشنی میں جائزہ لینے کا حق ہے۔ لیکن اسلام کا دعویٰ ہے کہ دین حق یہی ہے اور اللہ کے نزدیک مقبول بھی۔ لیکن جو لوگ نہ مانیں تو ان کے لئے لا اکراہ فی الدین بھی ہے۔

پتہ نہیں چودھری صاحب کو صوفیائے کرام کا سہارا لینے کی ضرورت کیوں پیش آگئی بہر حال وہ بھی ایک خدا اور اس کے آخری رسول نیز قیامت کے عقیدہ پر ایمان رکھنے والے تھے جس کا وہ مضمون میں مذاق اڑا رہے ہیں۔ ہمارے محترم صوفیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم، سب اسلام ہی کے ماننے والے تھے لیکن کوئی اور معیار حق اللہ اور اس کے رسول کی سنت ہی ہے۔

اسی طرح آخر میں حضرت غالب کے شعار اور مسلک کا سہارا لینا چودھری صاحب کی کمزوری فکر ہی کا غماز ہے ہمیں اس پر کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔

مولانا علی میاں صاحب نے مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے اس ملک کا نجات دہندہ کہہ کر چودھری صاحب کے نزدیک بڑا جرم کیا ہے۔ مولانا موصوف کے موقف کے خلاف چودھری صاحب کی دلیل مسلم ملک کی مثال ہے۔ کاش موصوف مولانا محترم کے مقصد کو پا لیتے یا سیاسیات اسلام

سے ہی واقف ہوئے تو ایسے اعتراض کرنے سے پہلے سوچتے۔ مسلمان اس ملک میں یا جہاں کہیں بھی ہوں، ان کی ایک شرعی ذمہ داری ہے یعنی وہ اسلام کے داعی، معروف کا حکم دینے والے اور منکر سے روکنے والے ہیں۔ اللہ کی ہدایت اور رسول مقبولؐ کی سنت کے امین ہیں۔ ہمارا ملک ہندوستان ایک ایسی سرزمین ہے جہاں صدیوں سے شرک اور اوہام پرستی کا غلغلہ ہے یہاں مذہب کے نام پر حقیر ترین چیزوں کے سامنے بھی شرف انسانیت کی پیشانی جھکائی جاتی ہے، مذہب کی اساس پر طبقاتی تقسیم کر کے ایک بڑے حصے کو انسانیت کے مقام سے فروتر سمجھا جاتا ہے اور اس مقدس نام پر معاشی و سیاسی استحصال روا ہے۔ حقیقتاً مذہب کے نام پر کچھ غیر انسانی باتوں کو اپنایا گیا۔ اور اس پر مذہب یا خدا پرستی کا لیبل لگا دیا گیا ہے کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ اکیسویں صدی کی دہلیز پر بھی مذہب کی بنیاد پر ستی جیسی انسانیت سوز رسم کو جائز کہا جا رہا ہے۔ جہیز کی خاطر دلہنوں کو زندہ جلایا جاتا ہے، کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ مذہبی تصور کے ماتحت دیو داسیوں کا ادارہ وجود پذیر ہے یہ اور ان جیسے تمام دردناک واقعات کا اصلی سبب اس کے سوا اور کیا ہے کہ اللہ کی سچی اور بے آمیز ہدایت سے یہ ملک اور اس کی اکثریت محروم رہی ہے۔ ان کے مقابلہ میں مسلمان نامی ملت جن کے پاس کتاب ہدایت اور سنت رسول محفوظ شکل میں موجود ہے، کیا ان کی یہ ذمہ داری نہیں ہے اور انسانیت کی خیر خواہی کا تقاضہ کیا یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے پیغام کو بے لوث ہو کر ان تک پہنچائیں۔ اگر وہ قول و عمل سے حق کے گواہ بن جائیں تو یقیناً یہ ملک کے نجات دہندہ ہوں گے اور نہ صرف ملک کی یہ عظیم خدمت ہوگی بلکہ اپنی منصبی ذمہ داری سے بھی مسلمان عہدہ برآ ہوں گے، اپنے عقیدے کے مطابق جس کے وہ عند اللہ مسئول بھی ہیں اگر اس حقیقت کی طرف کوئی ذمہ دار مسلمان توجہ نہ دلائے چہ جائے کہ مولانا ابوالحسن علی ندوی جیسا زعیم ملت، تب افسوس کا مقام ہے نہ کہ الٹا توجہ دلانے پر ہم ماتم کرنے لگیں۔

چودھری صاحب کو مولانا علی میاں صاحب کا یہ بیان کہ "اس ملک میں ہم تنہا وہ ملت ہیں جو خدا کا واضح پیغام رکھتی ہے جو آخری آسمانی کتاب کی حامل ہے..." ناگوار محسوس ہوا اور اس کا الٹا مفہوم نکال کر مفروضے قائم کئے ہیں یعنی یہ کہ گویا پھر سارے ہندو، سکھ، عیسائی وغیرہ غلطی پر ہیں اور اس کا یہ مطلب بھی نکلتا ہے کہ وہ عقل سے بھی خالی ہیں، وغیرہ موصوف جس مقام دمشرب کے حامل ہیں، شاید واقعتاً وہاں کوئی فرق نہ لگتا ہو۔ حالانکہ یہ معاملہ ہدایت اور عقیدے کا ہے۔ اسلامی عقیدے کے مطابق اخروی نجات کے لئے اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لانا ضروری ہے۔ یہی سیدھی راہ ہے اور دو نقطوں کے درمیان بدیہی طور پر خط مستقیم صرف ایک ہی ہو سکتا ہے بڑی بڑی ڈگریاں رکھنا۔ عقل میں ارسطو اور افلاطون ہونا اونچے مناصب اور حکومت کے جاہ و حشم کا مالک ہونا الگ بات ہے اور ہدایت کے نور سے سرفراز ہونا ایک بالکل جدا چیز ہے۔ اس کی بنیاد پر حضرت بلال حبشیؓ کو ابوجہل جیسے قریشی سردار پر فضیلت حاصل ہے۔

اسی طرح قرآن کی محفوظیت، سنت اور سیر کا علمی لحاظ سے مستحکم مقام وغیرہ کی جو باتیں مولانا علی میاں صاحب نے کہی ہیں وہ علمی اور تاریخی لحاظ سے انسانوں نے اب تک جو پیمانے اور معیارات دریافت کئے ہیں، سب پر کھری ثابت ہوئی ہیں قرآن کی خدائی کتاب ہدایت و صداقت ہونے پر کسی کو شک ہے تو اب بھی اس کا چیلنج موجود ہے۔ چودھری صاحب علمی لحاظ سے ان ماخذ کا جائزہ لینا چاہیں تو شوق سے ایسا کر سکتے ہیں۔

آخر میں گذارش کروں گا کہ محترم چودھری صاحب اسلام کا پھر سے بے لاگ مطالعہ کریں پروپیگنڈہ لٹریچر یا مستشرق حضرات کی کتابیں پڑھ کر اسلام کے بارے میں رائے نہ قائم کریں۔

(بشکریہ "دعوت" دہلی۔ ۷ ستمبر ۱۹۸۸ء)

بقیہ: شب و روز۔

حسب ذیل موضوعات پر مقالے پیش کئے گئے: ۱: شیر ہندوستان ٹیپو سلطان ۲: ریشمی رومال تحریک ۳: تحریک خلافت ۴: ۱۸۵۷ء اسباب و نتائج ۵: آزادی ہند کے تکمیل مراحل۔

اس کے بعد مولانا ابوالعرفان صاحب ندوی مدظلہ نے تقریر کی اور فرمایا

"آزادی سے پہلے ہندوستان پر ۹۰ سال انگریزوں کی حکومت رہی ہے اور پورے اقتدار عام اور تمام جلی و خفی اور ظاہر و باطن کی تاریخ ۱۸۵۷ء سے لیکر ۱۹۴۷ء تک ہے" اس کے بعد فرمایا کہ انگریزوں

سوال و جواب

محمد طارق ندوی

سوال: کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ جب تک کوئی مسلمان کسی پیر کا مرید نہیں بن جاتا اور اس پیر کے ہاتھ پر بیعت نہیں کر لیتا مسلمان نہیں ہو سکتا کیا یہ کہنا درست ہے؟

جواب: یہ کہنا درست نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی اپنی اصلاح کے لئے کسی پیر کا مرید ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن کسی پیر کا مرید ہونا اسلام کیلئے شرط نہیں ہے۔

سوال: ہمارے یہاں (کرناٹک) میں بعض جگہوں پر یہ بات مشہور ہے کہ مرغ وغیرہ سوائے موذن کے اور امام کے اور کوئی نہیں ذبح کر سکتا کیا یہ درست ہے کیا عام مسلمان مرغ وغیرہ ذبح نہیں کر سکتے؟

جواب: یہ بات بالکل بے اصل ہے ہر مسلمان بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر مرغ وغیرہ ذبح کر سکتا ہے، ذبح کرنے کیلئے موذن اور امام ہونے کی کوئی قید نہیں ہے۔

سوال: بندوق کے ذریعہ شکار کا کیا حکم ہے؟

جواب: بندوق کی گولی سے کوئی جانور زخمی ہو کر قبل ذبح مرجائے تو ایسا ہی ہے جیسے پتھر یا لاٹھی مارنے سے مرجائے اس کا استعمال حرام ہے ہاں مرنے سے پہلے اس کو ذبح کر لیا جائے تو حلال ہے۔

سوال: کچھ لوگ قربانی کی کچھ اہم چیزوں کو اپنے لئے خاص کر لیتے ہیں، کیا ان کی قربانی درست ہو جائے گی؟

جواب: قربانی کے جانور کے تین حصے کرنا اور ان کو تین قسم کے لوگوں میں تقسیم کرنا مستحب ہے لیکن اگر ایک شخص ایسا نہیں کرتا تو اس کی قربانی پر اس کا اثر نہیں پڑیگا وہ درست ہے۔

سوال: اگر کوئی شخص نماز میں بھول کر فرض چھوڑ دے تو سجدہ سہو سے اس کی تلافی ہو سکتی ہے؟

جواب: نہیں سجدہ سہو سے فرض چھوڑ نے کی تلافی نہیں ہو سکتی ہے نماز کا اعادہ کرنا پڑے گا۔

سوال: اگر کوئی شخص جان بوجھ کر واجب چھوڑ دے تو کیا سجدہ سہو سے اس کی تلافی ہو سکتی ہے؟

جواب: نہیں سجدہ سہو سے اسکی تلافی نہیں ہو سکتی ہے، کیوں کہ سجدہ سہو سے تلافی اس وقت ہو سکتی ہے جبکہ بھول کر واجب چھوڑا ہو (بقیہ صفحہ پر)

کے اقتدار کے بعد انگریزوں سے آزادی کا تصور عقلی و منطقی اور واقعاتی طور پر سب سے پہلے مسلمانوں کے ذہن میں آیا اس کی سب سے زیادہ واضح اور کھلی ہوئی دلیل انگریزوں کے کامل اقتدار سے پہلے شہدائے بالاکوٹ ہیں اور علماء کے وہ فتوے ہیں جو انگریزوں کے خلاف صادر ہوئے! اور اسی طرح یہ بھی فرمایا کہ حکومت کو ایک مہمل چیز سمجھنا میرے نزدیک صحیح نہیں ہے اور میں جانتا ہوں کہ جہاں مسلمانوں کا اقتدار رہا وہاں مسلمانوں کا علمی، ثقافتی، مالی ترقیوں کا اوسط کیا رہا ہے اور جہاں مسلمان صاحب اقتدار نہیں تھے وہاں ان کی حالت کیا تھی انگریزوں نے یہ بات کیوں کہی تھی کہ ٹورس کے میدان میں عبدالرحمٰن غافقی کو فتح ہو جاتی تو آج فرانس اور انگلستان کے گرجاؤں سے اذان کی آوازیں سنائی دیتیں۔

درمیان میں علامہ اقبال، بہادر شاہ ظفر اور دیگر شعراء کی بھی نظمیں پڑھی گئیں، آخر میں مولانا سلمان صاحب حسنی ندوی نے خطاب کیا اور طلبہ کے سامنے آزادی کا صحیح تصور پیش کیا اور کہا کہ ہندستان کو سیاسی ڈاکوؤں، دہشت پسند لیڈروں اور فرقہ پرست عناصر سے ابھی آزادی حاصل نہیں ہوئی اور طالبان علوم نبوت کو عزم محکم اور عمل پیہم کے زیور سے آراستہ ہونے اور انسانیت کی قیادت کیلئے اپنے کو تیار کرنے کی دعوت دی اس کے بعد ایک طویل مقالہ پیش کیا جس میں ہندستان کی اسلامی تاریخ کا جائزہ لیا ابھی مقالہ پورا نہیں ہوا تھا کہ مسجد کی مناروں سے اللہ اکبر کی صدا گونجنے لگی • • بقیہ صفحہ ۲۴ پر

مسافرِ آخرت

ڈاکٹر سید احمد حسین ندوی

اللہ اللہ، مسافر آخرت کی مشکلات کا کیا ٹھکانا۔ ادھر اس نے اللہ کا نام لیا اور ادھر مخالف قوتوں نے اپنے ہتھیار سنبھالیں، ادھر راہ مولیٰ میں پہلا قدم اٹھا اور ادھر دشمن کا لشکر حرکت میں آ گیا، کبھی مال و دولت نے راستہ روکا، کبھی حسن و جمال نے تیر برسائے، کبھی عیش و عشرت نے وار کیا، کبھی شان و شوکت نے جال بچھایا، مختصر یہ کہ شہوات دنیا نے پوری قوت کیساتھ حملہ کیا، مگر مرد مومن آخرت کا مسافر حفت النار بالشهوات (دوزخ خواہشات نفسانی سے گھیر دی گئی ہے) کا نعرہ لگاتا آگے بڑھتا ہی گیا، اور اس نے ان مزخرفات کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ۔

قہقہے لگے مذاق اڑایا گیا، دیوانہ کہا گیا، مجنوں بتایا گیا، سوسائٹی کے دروازہ بند کر دیئے گئے، ذلیل و خوار کیا گیا، فقر و فاقہ نے تنگ کیا، عیش و عشرت نے ساتھ چھوڑا لیکن جوان ہمت مسافر نے — سبحان اللہ سب کچھ سنا، سب کچھ سہا مگر قدم میں لغزش تک نہ آئی مستانہ وار پکار اٹھا۔ حفت الجنة بالمكاره (جنت پریشانیوں سے گھیر دی گئی ہے۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۝

شکست خوردہ دشمن نے روپ نیا بھرا، ہتھیار دوسرے لگائے، رہزنی کی راہیں دوسری نکالیں۔ اب ہمہ دم ذکر و فکر، تسبیح و تلاوت اور حضوری کے مزے، کشف و کرامات کے چرچے، اہل حاجت کا اجتماع، درخواستوں کا انبار، دعاؤں کی خواہشیں، دیدار کا اشتیاق قدم بوسی کی تمنائیں — نفس امارہ نے کہا کہ بس تیری منزل آ گئی، مقصد حاصل ہو گیا، آرزو پوری ہو گئی، سفر ختم ہوا — ہوشمند مسافر تڑپ گیا، ساری محنت برباد ہوتی نظر آتی چیخ اٹھا، اور بیتاب ہو کر پکار اٹھا لا الٰہ الا اللہ۔ انکار ہاں قطعی انکار دنیا کی ہر چیز سے انکار ذرہ ذرہ کی محبوبیت، مطلوبیت، اور مقصودیت سے انکار، کوئی محبوب نہیں، کوئی مقصود نہیں، کوئی مطلوب نہیں، مقصود اصلی اور محبوب حقیقی اور مطلوب واقعی صرف اللہ تبارک و تعالیٰ ہے۔ ان کے سوا سب سے بے تعلقی اور سب سے بیزاری۔

إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

جو سب سے جدا تھا، وہ سب پر فدا ہے، جو سب سے بے تعلق تھا، وہ سب پر والہ و شیدا ہے، جس نے دنیا کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا، ذرہ ذرہ اس کے دل میں بسا ہوا ہے، دوسروں کی راحت کی توقع ہو تو ہزار دکھ درد سہنے پر تیار، دوست ہو یا دشمن، یگانہ ہو یا بیگانہ جس کو ضرورت ہو آواز دیدے اس مرد خدا کو پکارے اس رند باصفا کو۔ وہ سب کے لئے حاضر امیر ہو کہ غریب، بڑا ہو کہ چھوٹا، وہ سب کو چاہنے والا اور اللہ کے لئے سب کو پیار کرنے والا

الحب للہ

اس کا عنوان حیات ہے۔

جو سب پر فدا تھا وہ آج سب سے جدا ہے، جو سب پر والہ و شیدا تھا وہ اب سب سے بے تعلق ہے، کہاں کے عزیز اور کیسے آشنا؟ کہاں کی دولت اور کیسی عزت؟ وہ سب سے غافل اور سب سے بے پروا تھا — لیکن اللہ ہی کے لئے سب سے ملا، سب سے پیار کیا خدا ہی کے لئے شریک بزم ہوا تھا اب خدا ہی کے لئے میدان رزم میں آیا ہے اس کی محبت اللہ ہی کیلئے تھی، اب اس کا بغض بھی اللہ ہی کے لئے ہے، خدا سے بغاوت نہ خود کرتا ہے اور نہ دوسروں کو بغاوت کرتے دیکھ سکتا ہے یہی ہے وہ کہ البغض للہ جسکی زندگی کا شیوہ ہے۔

توحید تو جب ہے، کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے۔

گل شو از بادِ بہارِ مصطفےٰ

اقبال نے "رموز بیخودی" میں اپنے والد بزرگوار کی خدا ترسی، غریب نوازی اور دینداری کا واقعہ لکھا ہے کہ ایک دن ایک گدائے مبرم ہمارے دروازے پر صدا لگا رہا تھا۔ میں نے غصہ میں آکر ایک لکڑی اس کے سر پر ایسی ماری کہ جو کچھ مانگ کر لایا تھا وہ بھی اس کے ہاتھ سے گر گیا۔ جوانی کے نشے میں عقل صواب و ناصواب نہیں دیکھتی۔ مگر میرے اس فعل سے والد کو بڑا رنج ہوا۔ چہرہ افسردہ ہو گیا، دل سے آہیں نکلنے لگیں، اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ یہ دیکھ کر میرا دل کانپ گیا۔ فرمانے لگے قیامت کے دن جب حضورؐ کی امت حضورؐ کے گرد جمع ہوگی۔ غازیان ملت بیضا بھی اور حکمت دین کے حافظ بھی، اور شہدا بھی۔ زہاد بھی اور عاشقان دلفگار بھی اور عالم بھی اور شرمسار گنہگار بھی، سب موجود ہوں گے، اور اس اجتماع امت میں اس گدائے دردمند کا نالہ بلند ہوگا تو اے صراط مستقیم سے دور افتادہ سرکش! اس وقت اگر حضورؐ نے پوچھا تو میں کیا جواب دوں گا کہ اللہ نے تجھ کو ایک مسلمان نوجوان دیا تھا تو یہ آسان کام بھی نہ کر سکا کہ اس کو آدمی بنا دیتا۔ پھر بیٹے سے اس طرح خطاب کرتے ہیں:

اندکے اندیش و یاد آور پسر — اجتماع امت خیر البشرؐ!
باز ایں ریش سفید من نگر — لرزۂ بیم و امید من فگر
بر پدر ایں جور نا زیبا مکن — پیش مولا بندہ را رسوا مکن
غنچۂ از شاخسار مصطفےٰؐ — گل شو از باد بہار مصطفےٰ
از بہارش رنگ و بو باید گرفت — بہرۂ از خلق او باید گرفت

اے بیٹے! ذرا امت خیر البشرؐ کے اس اجتماع کا خیال کر اور پھر میری سفید داڑھی اور اس پر امید و بیم کی وجہ سے جسم لرزاں کو دیکھ! باپ پر ایسا نازیبا ظلم روا نہ رکھ۔ اور غلام کو آقا کے آگے رسوا نہ کر۔ تو شاخ مصطفےٰ کا ایک غنچہ ہے، مصطفےٰ ہی کی باد بہاری سے پھول بننے کی کوشش کر (حضورؐ کے خلق عظیم سے بہرہ ور ہونا چاہیئے)

غزل

ڈاکٹر محمود ذکی

وہ پاتے ہیں مجھے جن کو نہیں احساس مشکل کا
یہی ہمراہ رو کے واسطے پیغام منزل کا

بدلتا جا رہا ہے رفتہ رفتہ رنگ محفل کا
اثر ہر دل پہ ہے گویا میری مایوسئ دل کا

میرا ایمان ہے ایک دن محبت ہی سے حل ہونگے
نہیں ہے کوئی بھی حل آج جن الجھے مسائل کا

سلامت باد اہل کارواں کی حوصلہ مندی
میسر آ ہی جائے گا کسی دن قرب منزل کا

جو ڈوبے بحر غم میں سب حقیقت کھل گئی اسکی
وگرنہ میری نظروں میں بڑا درجہ تھا ساحل کا

ذکیؔ عزت سے جینا ہے مزاج وقت پہچانو
زمانہ منتظر ہے اب تمہاری جہد کامل کا

بقیہ: علماء کیلئے قابلِ تقلید

سرِ دیں مارا خبر او نظر ہے
او درونِ خانہ ما بیرونِ در
ما کلیسا دوست ما مسجد فروش
او ز دستِ مصطفےٰ پیمانہ نوش
ما ہمہ عبد فرنگ او عبدہٗ
او نہ گنجد در جہان رنگ و بو

ڈاکٹر صاحب نے کبھی کہا تھا سے
بادسعت افلاک میں تکبیر مسلسل
یا خاک کی آغوش میں تسبیح و مناجات

مولانا کا عمل پہلے مسلک پر تھا یہ واقعہ تھا کہ وسعت افلاک میں مولانا کی زندگی تکبیر مسلسل تھی' یہ میں کہونگا کہ مولانا معصوم نہیں تھے' ایسا نہیں تھا کہ ان سے کوئی غلطی نہ ہوئی ہو' ضروری نہیں کہ ان تمام سیاسی اور اجتہادی آراء و نظریات میں ان سے اتفاق کیا جائے' لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ جو کچھ انہوں نے کہا یا کیا محض رضائے الٰہی اور حمیت دینی میں اسکے لئے کوئی دنیاوی محرک یا مصلحت نہ تھی رضائے الٰہی اور حمیت دینی [illegible] اوصاف حضرت مدنی میں بدرجہ اتم تھے۔

⑤ مولانا کا پانچواں بڑا وصف ان کے اپنے بزرگوں' اساتذہ' شیوخ سے عاشقانہ تعلق ہے واقعہ یہ ہے کہ یہ ان کی شخصیت کی کنجی ہے اور ان کی ساری زندگی اور اس کے اہم اور عظیم واقعات کا راز ہے' یہ ایسی چیز تھی جو ان کی رگ و پے میں سرایت کر گئی تھی' ان کا یہ تعلق ان کو بعض ایسی چیزوں پر آمادہ کر دیتا تھا جو ان کے عام اخلاق و صفات کے خلاف ہوتیں' اور بعض دفعہ سمجھ میں نہ آتیں کہ یہ کیسے ہوا' یہ بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگی کہ مولانا اپنی بڑی سی بڑی توہین اور اذیت برداشت کر سکتے تھے مگر اپنے اکابر اور اسلاف شیوخ اور اساتذہ کی تنقیص اور ان کا استخفاف برداشت نہ کر سکتے تھے' بعض مرتبہ یہ چیزیں ان کی شدید بے زاری اور مخالفت کا سبب بن جاتیں' آخر میں اپنے اسلاف کی امانت کی حفاظت اور ان کے نقش قدم پر چلنے اور ان کے مسلک پر قائم رہنے کا جذبہ بہت شدید ہو گیا تھا کہ وہ اس راستہ سے بال برابر ہٹنا گوارہ نہ کرتے تھے۔ اسی طرح سے خلاف شریعت فعل کے دیکھنے کا تحمل نہ رہا تھا اور یہ تاثر ان کے عام اخلاق پر بھی غالب آگیا تھا۔

مولانا کا ایک بہت بڑا کارنامہ جس کی اہمیت کا احساس بہت کم لوگوں کو ہے' یہ ہے کہ ۱۹۴۷ء کے ہنگامہ میں اور اس کے بعد ہندوستان میں بقا و قیام کا ایک بڑا ظاہری سبب مولانا ہی کی ہستی تھی' یہ وہ وقت تھا کہ جب بڑے بڑے کوہ استقامت جنبش میں آگئے' سب یہی سمجھتے تھے کہ اب ہندوستان میں مسلمانوں کا کوئی مستقبل نہیں' مسلمانوں کی تاریخ میں دو ہی چار ایسے دور گزرے ہیں کہ جب مسلمانوں کے اور اسلام کے بقا کا سوال آگیا ہے ۱۹۴۷ء کا ہنگامہ ہندوستان کے مسلمانوں کے حق میں اسی نوعیت کا تھا اصل مسئلہ سہارنپور کے مسلمانوں کا تھا سارا دارو مدار ان پر تھا' یہ اپنی جگہ چھوڑتے تو یوپی کے مسلمانوں کے قدم لغزش میں آجاتے اور سہارنپور کے مسلمانوں کا سارا انحصار دو ہستیوں پر تھا' حضرت مولانا عبد القادر صاحب رائے پوری اور حضرت مولانا مدنی' اس وقت مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ جمنا کے کنارے ہونا تھا لیکن یہ دو صاحب عزم مجاہد وہاں جمے رہے اور انہوں نے گھٹنے ٹیک دئے ایک رائے پور کی نہر کے کنارے بیٹھ گیا اور ایک دیوبند میں

آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ رائے پور و دیوبند مشرقی پنجاب کے ان اضلاع سے جہاں کشت و خون کا ہنگامہ گرم تھا متصل ہیں۔ لیکن یہ اللہ کے بندے پورے عزم و استقلال کے ساتھ جمے رہے اور انہوں نے کہا مسلمانوں کا یہاں سے نکلنا صحیح نہیں' اگر تم مشورہ چاہتے ہو تو ہم مشورہ دیتے ہیں اور اگر تم کو فتوی کی ضرورت ہے تو ہم فتوی دینے کو تیار ہیں کہ اس وقت یہاں سے نکلنا مسلمانوں کے لئے درست نہیں' اس وقت ہندوستان میں جو اسلام و مسلمان قائم ہیں یہ انہیں بزرگوں کا احسان ہے۔ ہندوستان میں اس وقت جو مسجدیں قائم ہیں اور ان میں جو نمازیں پڑھی جا رہی ہیں اور پڑھی جاتی رہیں گی یہ ان کا طفیل ہے ہندوستان میں جتنے مدرسے خانقاہیں ہیں ان میں جو فیوض و برکات صادر ہو رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے' ان سب کے رہین منت رہیں گے اور ان سب کا ثواب ان کے نامہ اعمال میں لکھا جاتا رہے گا۔

اس سلسلہ میں مولانا حسین احمد مدنی صاحب نے سارے ملک کا دورہ بھی کیا ایمان افروز اور ولولہ انگیز تقریریں کیں' اور اپنے ذاتی اثر و رسوخ سے اپنی تقریروں اور اور خود اپنے طرز عمل سے مسلمانوں کو اس ملک میں رہنے اپنے ملک کو اپنا ملک سمجھنے اور حالات کا مقابلہ کرنے پر آمادہ کیا۔

یہ بات میں اور واضح کر دوں کہ مولانا کے بارے میں لوگوں کو بڑا مغالطہ ہے کہ وہ موجودہ حالات سے کلی طور پر مطمئن تھے' قریب کے لوگ جانتے ہیں کہ مولانا کے سینے کے اندر کیسا درد و سوز کیسے اسلامی جذبات اور کیسی دینی حمیت موجزن تھی اور ان کے اندرونی احساسات کیا کیا تھے مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ ان کو مولانا کے ان جذبات اور اندرونی احساسات اور امت اسلامیہ اور اس کے مسائل کے ساتھ گہرے تعلق اور درد و سوز کا اندازہ نہ ہو سکا' اور مولانا مدنی کی زندگی کا یہ پہلو جتنا روشن اور معروف ہونا چاہئے تھا نہ ہو سکا آزادی کے بعد خلاف توقع حالات و تغیرات اس ملک میں پیش آئے انہوں نے مولانا کی طبیعت کو بہت زیادہ افسردہ کر دیا تھا' ان کی عمر کا بہترین زمانہ ان کی بہترین قوت انگریزی حکومت کا مقابلہ کرنے میں صرف ہو چکی تھیں اور اس معرکہ میں وہ کامیاب ہو چکے تھے اب ان کی تقریروں کا موضوع اور دعوت ذکر صرف ذکر کی تلقین کرنا خاتمہ کی فکر کی طرف متوجہ کرنا تعلق مع اللہ ایمان باللہ کو مضبوط سے مضبوط کرنا دینی شعائر کا احیاء اور سنت نبویہ کی کثرت سے ترویج و اشاعت رہ گئی تھی انہوں اپنے عالی مرتبہ شیوخ و اساتذہ سے تعلق مع اللہ' استقامت علی الشریعت اور باطنی مشغولیت کی جو دولت حاصل تھی تمام اسفار و مشاغل و ہجوم خلائق' درس و تدریس کی مصروفیت اور آخر میں علالت کی شدت میں بھی وہ اسی میں مشغول تھے اور روز بروز وہ ہر چیز پر غالب آتی جا رہی تھیں زندگی کے آخری ایام تک نماز کھڑے ہو کر اور باجماعت ادا کی یہ ناچیز آخری بار ۲۵ نومبر کو یعنی وفات سے صرف گیارہ روز پہلے حاضر ہوا' سخت تکلیف اور شدید ضعف تھا' یہ وہی دن تھے جس دن ڈاکٹر نے تفصیلی معائنہ کر کے یہ کہا تھا کہ مولانا صرف اپنی قوت ارادی سے زندہ ہیں اور ہمارا فن اس علالت کے سامنے ناکام ہے اس روز بھی مولانا نے ظہر کی نماز کھڑے ہو کر اور باہر آکر جماعت کے ساتھ ادا کی' مولانا کی خدمت میں جب حاضری ہوئی تو پوری بشاشت اور استقلال کے ساتھ گفتگو فرمائی ایک کتابچہ کے پہونچنے کا ذکر کیا میں نے عرض کیا مجھے معلوم ہوتا کہ علالت اور ضعف اس درجہ تک پہونچ گیا ہے تو کبھی اس کتاب کو پیش کرنے کی جرأت نہ کرتا' فرمایا کیوں؟ میں نے تو کئی صفحات کا مطالعہ کیا' اور نفس کتاب ہی بڑی نعمت ہے' اسی مجلس میں ایک مخلص نے جو باہر سے آئے تھے روتے ہوئے کہا دنیا خالی ہوتی جا رہی ہے' فرمایا دنیا میں بہت لوگ ہیں' انہوں نے عرض کیا ہمیں دوسروں سے کیا تعلق؟ فرمایا ہمیں تو امت محمدی سے تعلق ہے۔

مولانا نے امت محمدی کی خدمت میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا' انہوں نے اپنے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا اور اپنے اسلاف سے جو امانت اور ذمہ داری پائی تھی اس کو پورا کر گئے' ان کو ستائش کی تمنا ہے' نہ صلہ کی پروا' نہ مدح و توصیف کا انتظار ہے' نہ ناسپاسی و ناشناسی کا گلہ' وہ مسلمانوں کو خطاب کر کے کہہ سکتے ہیں

فقیرانہ آئے صدا کر چلے
میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے
جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے۔

(ماخوذ سیرت شیخ الاسلام)

جس سے چمن افسردہ ہو....

اے اہل نظر ذوقِ نظر خوب ہے لیکن
جو شئی کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا
مقصودِ ہنر سوزِ حیاتِ ابدی ہے
یہ ایک نفس یا دو نفس مثل شرر کیا
جس سے دلِ دریا متلاطم نہیں ہوتا
اے قطرۂ نیساں وہ صدف کیا وہ گہر کیا
شاعر کی نوا ہو کہ مغنی کا نفس ہو
جس سے چمن افسردہ ہو وہ بادِ سحر کیا
بے معجزہ دنیا میں ابھرتی نہیں قومیں
جو ضربِ کلیمی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا

علامہ اقبالؒ

ندوہ کے شب و روز

خالد بیگ

دار العلوم ندوۃ العلماء اگر ایک طرف علم و ادب کا گہوارہ اور تحقیق و نظر کا کارخانہ ہے تو دوسری طرف اسلامی معاشرت و ثقافت کا گلزار اور غزالانِ افکار و تہذیب کا مرغزار ہے وہ تعلیم گاہ بھی ہے اور تربیت گاہ بھی وہ طالبانِ علوم نبوت کو علم و عمل سیرت و صورت اور وضع و قطع میں اسلامی تعلیمات کا پیکر اور سلف صالحین کی یادگار بنانا چاہتا ہے دار العلوم میں وقتاً فوقتاً تربیتی پروگرام ہوتے رہتے ہیں جن میں طلبہ شرکت کر کے اپنی زندگی کا رخ اور مستقبل کی راہیں متعین کرتے ہیں۔

۲۴ ذی الحجہ کو حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ العالی نے طلبہ کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ جب اسلام کا ظہور ہوا تو سطح ارض پر جتنی قومیں بستی تھیں چاہے وہ مذہبی قومیں ہوں یا وہ قومیں جن کو اپنی تہذیب و تمدن پر فخر تھا سب پر اللہ تبارک و تعالی نے نفرت کی نگاہ ڈالی' ان کے عقائد و اعمال' تہذیب و تمدن' کلچر و ثقافت' وضع و قطع' صورت و سیرت ہر چیز کو ناپسند کیا اللہ کے رسول نے فرمایا ان اللّٰہ نظر الی اھل الارض فمقتھم عربھم و عجمھم الا بقایا اھل الکتاب۔ اور اللہ تعالی نے انسانیت کیلئے ایک مکمل دین اور ایک مستقل تہذیب کا انتخاب کیا ہم لوگوں کی نظر میں یہ ہے کہ قرآن مجید صرف حلال و حرام یا کفر و شرک سے بحث کرتا ہے' کوئی بھی چیز یا تو حلال ہوگی یا حرام' جائز ہوگی یا ناجائز اس کے آگے کچھ بھی نہیں' حالانکہ مزاج نبوی کو سمجھنے اور قرآن مجید اور احادیث نبویہ میں غور و فکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے صرف حلال و حرام شرک و کفر کی باتیں ہی نہیں بتائیں بلکہ انسانیت کو ایک مستقل تہذیب سے نوازا لباس' وضع و قطع' طرز معاشرت و طرز معیشت کے بین اصول عطا فرمائے بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو نہ تو کفر و شرک ہیں نہ ناجائز و حرام لیکن وہ اللہ کی نگاہ میں مغضوب ہیں

اسلامی تہذیب و ثقافت کو چھوڑ کر کسی دوسری تہذیب کو للچائی نگاہوں سے دیکھنا اور اس کی طرف مائل ہونا خدا کے غضب کو دعوت دینا ہے اللہ تعالی نے سورہ ہود میں فرمایا کہ

لا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار۔

اس آیت کا مطلب یہی ہے کہ ہمیں غیر قوموں کے عقائد و اعمال' تہذیب و تمدن سے نفرت اور اسلامی اقدار سے محبت ہونی چاہئے" پھر حضرت مولانا نے طالبان علوم نبوت کی ذمہ داری کو بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ طالبان علوم نبوت سے صرف یہی مطالبہ نہیں ہے کہ وہ نماز کی پابندی کریں فعل حرام سے اجتناب کریں بلکہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنے اس دین پر' اپنی اس تہذیب پر جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لیکر آئے فخر کریں صحابہ کرام نے کرکے دیکھایا اور کہاں کہاں دکھایا روم و شام کی راجدھانی میں دمشق اور حلب اور انطاکیہ میں قسطنطنیہ میں پھر مدائن و عراق کے بڑے بڑے شہروں میں

پھر ایک صحابی کا واقعہ سنا کر یقین و اعتماد کے لہجے میں طلبہ سے یوں مخاطب ہوئے۔

سن لو تم بھی اے طالبان علوم نبوت اور دار العلوم کے فرزندو تم جس راستے سے عزت طلب کروگے اللہ و رسول کے راستے کے علاوہ اسلامی معاشرت و تہذیب کے راستے کے علاوہ آپکی سنت کی پیروی کے راستے کے علاوہ علماء کا شعار اختیار کرنے کے راستے کے علاوہ لکھ کر لو کہ تمہیں حقیقی عزت حاصل نہیں ہوگی خوب دیکھا ہے میں نے امریکہ اور یورپ میں جاکر' خدا کے فضل سے ہم نے بڑی بڑی سلطنتیں دیکھیں بڑے بڑے سیمنار ATEND کئے اور بڑے بڑے اہم لوگوں سے مسلمان بادشاہوں سے سلاطین مملکت سے ملے مجھے معلوم ہوا کہ عزت و ذلت کا سارا تعلق اللہ تبارک تعالی کی ذات اور اسکے ارادہ سے ہے نہ کمی اور کے ہاتھ سے ہے نہ کمی اور کے معیار سے۔

اور اسی طرح دار العلوم کے مقصد کو واضح کرتے ہوئے فرمایا۔

"دار العلوم ہو یا کوئی دینی مدرسہ ہو وہاں صرف اتنا مقصود نہیں کہ نمازوں کی پابندی کی جائے بیشک نماز اول نمبر پر ہے' اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی مقصود ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام سلف امت اولیاء امت اور وہ لوگ جن کی وجہ سے یہ دنیا تھمی ہوئی ہے اور جن کی وجہ سے اللہ نے بارہا اس دنیا کو تباہی سے بچایا ہے اور مجددین اسلام' مجاہدین فی سبیل اللہ اور شہدائے کرام کے طریق کو ان کی وضع و معاشرت کو' ان کی صورت و شکل کو ان کے شعار کو اور ان کی پہچان کو ہم ترجیح دیں' اور ان کی عزت کریں' اس کو اپنے لئے ترجیح دیں۔

دار العلوم میں تقریباً پندرہ دن حضرت مولانا کا قیام رہا' عشاء کے بعد مولانا مدظلہ کی مجلسیں ہوتیں تشنگانِ علم اور نور نبوت کے پروانے بڑی تعداد میں حاضر ہو کر چراغ زندگی کو روشن اور خانۂ دل کو آباد کرتے' مجلس میں مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی ایک مرتبہ مولانا مدظلہ العالی طلبہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے طالب علم! محنت و سائل اور ذہانت کے ذریعہ میدان تدریس کا ایک شہسوار زبان و قلم کا بادشاہ اور فضائے علم کا شاہیں تو ہو سکتا ہے لیکن برکت (زیادۃ نفع الشئی) قبولیت اور نافعیت نہ محنت سے حاصل ہوتی ہے نہ وسائل اور نہ ذہانت سے جب تک اس کی زندگی زیور سعادت سے آراستہ نہ ہو دوسرے الفاظ میں اس کے اندر اساتذہ کا احترام ادارہ کی عظمت' وسائل علم کی قدر اور انابت الی اللہ کی کیفیت نہ ہو تو اس وقت تک اس کے علم میں نہ برکت و قبولیت ہوگی اور نہ وہ نور ہوگا جو دوسروں کو متوثر کر دے تاریخ گواہ ہے کہ ہمارے اسلاف جو آسمان علم پر آفتاب بن کر نمودار ہوئے وہ ان صفات سے آراستہ تھے۔

جمعیۃ الاصلاح۔

اسی دریا سے اٹھتی ہے وہ موج تند جولاں بھی
نہنگوں کے نشیمن جس سے ہوتے ہیں تہ و بالا
جمعیۃ الاصلاح ایک مردم خیز' مردم ساز انجمن ہے جس کے لالہ زار سے وہ جواں سرد اور باہمت نوجوان پیدا ہوئے جنہوں نے زمانے کے طوفان کا مقابلہ کیا اور حریم اسلام کی پاسبانی کی اور اس کے اسٹیج سے وہ صاحب ایمان اولو العزم اور بیباک شخصیتیں اٹھیں جن کی آذانیں یورپ کے گرجاؤں سے ٹکرائیں اور جن کی تکبیریں مغرب کی فضاؤں میں گونجیں اور سیاسی علمی و فکری' تقریری' تحریری ہر میدان میں وہ فائق تھیں ●●

۱۴ اگست ۱۹۸۶ء کو بعد نماز عشاء انجمن کی جانب سے مولانا نذر الحفیظ صاحب ندوی کی صدارت میں ایک دلچسپ مناقشہ ہوا' مناقشہ کا موضوع "تقسیم ہند مناسب یا غیر مناسب تھا" پوری تیاری کے ساتھ طلبہ نے شرکت کی اور آخر میں انعامات تقسیم ہوئے ●●

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو ہندوستان انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہوا اس موقع پر ملک کے کونے کونے میں خوشیاں منائی جاتی ہیں پرچم لہرائے جاتے ہیں اور اپنے جذبات کا اظہار کیا جاتا ہے ۱۵ اگست کے موقع پر صبح ۹ بجے انجمن کی طرف سے جمالیہ ہال میں ایک علمی اور فکری پروگرام ہوا۔ جلسہ کی صدارت مولانا ابو العرفان صاحب ندوی مدظلہ نے کی۔ تلاوت کلام پاک کے بعد ناظم الاصلاح آفتاب عالم ندوی صاحب نے "ہندوستان کی آزادی میں علماء کا کردار" کے موضوع پر ایک مقالہ پیش کیا۔

اس کے بعد ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین قریشی مدظلہ کی تقریر ہوئی آپ نے فرمایا ۱۸۵۷ء سے پہلے ہندوستان میں جیسی ممتاز ترین اور زندہ شخصیتیں پیدا ہوئیں۔ اس کے بعد اس کا عشر عشیر بھی پیدا نہیں ہوئیں اور فرمایا۔

جو قومیں اپنے کو ماضی میں گم کر دیتی ہیں اور ان کا کام صرف مرثیہ خوانی رہ جاتا ہے وہ اپنے تشخص کو کھو دیتی ہیں لیکن جو قومیں ماضی کی روشنی میں مستقبل کی راہیں ڈھونڈھتی ہیں وہ ہر شعبۂ زندگی میں درخشاں رہتی ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ "پدرم سلطان بود" کہہ کر بیٹھے نہ رہیں بلکہ زندگی کے ہر میدان میں سرگرم عمل رہیں اور آخر میں فرمایا کہ اس ملک کی قیادت صحیح ترتیب میں علماء کے ہاتھ میں ہونی چاہئے ورنہ اس ملک کا نظام اور بدتر ہو جائیگا۔

ڈاکٹر صاحب کی تقریر کے بعد بقیہ صفحہ ۱۳ پر